بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برگ صحرا

برگِ صحرا

محسن نقوی

اُسے گنوا کے میں زندہ ہوں اِس طرح محسنؔ

کہ جیسے تیز ہَوا میں چراغ جلتا ہے

ترتیب

انتساب

اُس کے نام

جس کی محبت میری شاعری کا سرمایہ ہے

خالد شریف

جی چاہتا ہے تمہارا شکریہ ادا کروں کہ برگِ صحرا'
کی ترتیب سے اشاعت تک تمہاری ذاتی توجۂ
محنت اور محبّت اگر شامل نہ ہوتی تو یہ مجموعہء خیال
شاید ابھی مُدّتوں "فرد فرد" ہی رہتا۔ مگر
اظہارِ تشکّر سے گریزاں بھی ہوں کہ تم میرے ناشر
نہیں، دوست اور بھائی ہو اور دوستوں کے لیے
شکریہ کیسا!

محسن نقوی

پسِ غبارِ سفر

مجھے ظاہر کے انبساط سے باطن کا دُکھ زیادہ پسند ہے' کیونکہ ظاہر کا انبساط اپنے ناپائیدار تاثر کی بنا پر نامحسوس صورت اختیار کر کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے' اِس کے برعکس باطن کے دُکھ کی ہر کروٹ نہ صرف دل و دماغ کے لیے جراحت افزاء ثابت ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اس کی شدت سے ''حواس'' تک پگھلنے لگتے ہیں۔

اِس ''غیر واضح'' مگر مسلسل تفریق کا ''مانوس تاثر'' ذہن میں ہر لحظہ ایک دھندلی لکیر کی صورت می اُبھر اُبھر کر مٹتا رہتا ہے۔ اِس لیے ''اظہار'' کے لیے حواس کو شعوری طور پر ظاہر و باطن کے عمل اور ردِّ عمل کے لیے وقف کر کے ''ردّ و قبول'' کے مراحل سے گزر کر ''حاصل'' کو واضح اور وجیہہ ''خدوخال'' عطا کرنے کا نام میرے نزدیک ''فن'' ہے۔

''فن'' ہر لحہ ''فنکار'' کی ذات کو ریزہ ریزہ تراش کر خود ''قطرہ قطرہ اُس کی نَس نَس میں بس جانے کے غیر مختتم عمل میں مصروف رہتا ہے۔

''جذب و آمیزش'' کے یہ سلسلے ''فنکار'' کے لیے انتہائی ''تکلیف دہ'' ہونے کے باوجود جبلی طور پر نہایت ضروری ہیں۔

جہاں تک ''فن'' کی تخلیق کے محرکات کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ احساس فن کی تخلیق کا محرک بن سکتا ہے جو جذبہ و خیال کی غیر مرئی سرحدوں کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پھر فنکار کو بھی اس قسم کی ہر تحریک کے تقاضے اپنے شعور کے زنداں میں مقفل رہ کر پورے کرنا ہوتے ہیں جس کی بنیاد احساس کے ہاتھوں جذبہ و خیال کی مشترکہ سرحدوں پر رکھی گئی ہو۔ کوئی بھی فنکار مشاہدے کی حد تک تو اپنے ہمسفروں کا ساتھ دے سکتا ہے مگر تخلیقی محسوسات کے عمل سے گزرتے وقت وہ ہر لحاظ سے تنہا ہوتا ہے اور یہی تنہائی اُس کی ذات کا تشخص کرنے کا فرض بھی انجام دیتی ہے!

میرا خیال ہے کہ ''کمالِ فن'' کے عناصر مشاہدے کی بے پناہ وسعت' شعور کی شدید پختگی' تجربے کی عمیق گہرائی' جذبہ و خیال کی ہم آہنگ سچائی اور اظہار کی آفاق گیر توانائی سے ترتیب پاتے ہیں۔

یعنی فنکار جب خارجی عوامل کی اجتماعی شکل پر داخلی کرب کی تہہ چڑھاتا ہے تو جذبہ و خیال کی تمام تر توانائیاں اِس غیر واضح اور مبہم صورت کو تجربے کی آنچ دے کر ''واضح ابلاغ'' کے شفاف پیکر میں ڈھال دیتی ہیں۔ یہ صورتحال اپنی ہیئت کے اعتبار سے ایک ایسے ''فن پارہ'' کی شکل میں نمو پذیر ہوتی ہے جو ''زمان و مکان'' کی خود ساختہ حدود سے ماورا ' اور مہ و سال کی گرد سے محفوظ ہوتا ہے' اس موڑ پر پہنچ کر فنکار تیقّن کا لہجہ اختیار کرتا ہے اور یہی تیقّن اُسے کائنات سے زیادہ اپنی ذات پر اعتماد کرنے کی بشارت دیتا ہے۔

ایقان واعتماد کی اس ''خمار آلود'' فضا میں فنکار کی زبان ''سند'' قول ''مُستند'' ارادہ محکم اور مشاہدہ ''منفرد'' ٹھہرتا ہے' پھر اُس کی آواز ہجوم ہمسفراں میں بھی اپنی پہچان کھو نہیں پاتی' اور وہ اپنے آپ کو سارے علم پر چھایا ہُوا محسوس کرتا ہے' یہی وہ مقام معرفت ہے جہاں حقیقتِ اشیاء اپنے چہرے سے تمام نقابیں اُٹھا کر فنکار پر کشف کے تمام باب کھول دیتی ہے' اور حلقہء دام خیال خود بخود ٹوٹ جاتا ہے' غیب سے مضامین آتے ہیں ''صریرِ خامہ'' نوائے سروش میں ڈھلتی ہے ہر لفظ گنجینہء معنی کا طلسم' ہر بات عکسِ آیاتِ سماوات' ہر استعارہ ابروئے ہستی کا اشارہ' ہر تلمیح اسرار عالم کی توضیح اور ہر انداز خلوتِ یار کا محرم راز نظر آتا ہے' لیکن کمالِ فن کو پرکھنا بھی تو بجائے خود ایک ''فن'' ہے' کیونکہ میرے نزدیک آج تک کوئی ایسا پیمانہ فکر و نظر ایجاد نہیں ہُوا جو ''کمالِ فن'' کے آخری نقطے کا تعین کر سکا ہو اور شاید ارتقائے فن کا راز بھی اِسی نکتے میں پوشیدہ ہے' اگر ایسا نہ ہوتا تو میرؔ و غالبؔ کے نقاد دو علیحدہ علیحدہ راستوں پر نہ چل نکلتے' حالانکہ جہاں میرؔ نے ترتیب فن کے لیے ع ''درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان ہُوا'' کہہ کر فن کی ہمیشگی کا بھید کھولا ہے' وہاں غالبؔ نے بھی ''فن'' کی ابدیت کے لیے یہ کڑی شرط لگا دی کہ ع ''پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی''

غالبؔ کی دل گداختگی ہو یا میرؔ کی درد آشنائی' دونوں اپنے اندر ایک سچے اور کھرے فنکار کی فراخدلانہ حوصلہ مندی اور فنکارانہ ایذا پسندی پرداد خواہ وہ اپنے ناقد کی نظر میں کتنا حقیر کیوں نہ ہو' فن کے دشتِ خار میں قدم رکھتے ہوئے ''برہنہ پائی'' کے آداب کا لحاظ ضرور رکھتا ہے' اور میری نظروں میں اُس کی برہنہ پائی اگر ''قابلِ اعزاز'' نہیں تو کم از کم لائقِ تحسین ضرور ہے' کہ ''منجمد کہسار'' سے وہ ''کوہکن'' بہر نوع زیادہ بلند مرتبت اور عظیم ہے جو تیشہ بکف رہ کر ''سینہء کوہسار'' میں چھپے ہُوئے ''بھید'' کا علم رکھتا ہے اور پھر اُس ''بھید'' سے اپنی بستی کے سادہ لوح لوگوں کو آگاہ بھی کرتا ہے۔

البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر ''کوہکن'' فن کے ''بے ستوں'' سے ''فکر'' کی ''جوئے شیر'' نکال کر اپنی پیشانی پر ''دائمی شہرت'' کا کتبہ بھی نصب کر سکے! کیونکہ ایک فنکار اپنے اندر کی کائنات میں اتنا گم ہوتا ہے کہ اُسے اپنے باہر کی فضا میں گونجتے ہُوئے ہنگاموں کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہونے پاتی' اُسے اپنے محسوسات کی عکاسی کے لیے کئی زندگیاں ضرورت ہوتی ہیں کہ اُس کے اپنے عناصر منتشر ہونے میں جتنا وقت لگتا ہے اُس سے کہیں زیادہ مدت اُسے کائنات کے بکھرے ہُوئے ریزوں کو یکجا کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے' اس لیے وہ مختصر ترین عرصہ میں ''فن'' کے خدوخال کو جس قدر بھی سنوار سکتا ہے وہی غنیمت ہے۔ یہاں یہ بحث ہی فضول ہے کہ کون کتنا نام آور ہے؟

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے' مجھے کبھی یہ خواہش نہیں رہی کہ میں ''فن'' پُرہول دشتِ خار میں اپنے ہمسفروں کا میرِ کارواں بنوں۔ ابھی تو مجھے اپنی پہچان کے کتنے مراحل طے کرنا ہیں اور پھر مجھے تو ''کارواں'' سے ''گردِ کارواں'' زیادہ عزیز ہے کہ وہ اپنے کارواں کی واضح جہت کی ''مُستند علامت'' سمجھی جاتی ہے۔

مجھے اپنے فکر کی کم مائیگی سے ندامت ہے نہ مشاہدے کی کوتاہ قامتی سے کوئی شکایت بلکہ مطمئن ہوں کہ میرے

دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ ''میرا'' ہے اور یہی احساس کبھی کبھی مجھے اپنے ''ہونے'' کا یقین دلاتا ہے۔

''برگِ صحرا'' میری ذہنی آوارگی کا آئینہ ہے اور میری فکری شکست و ریخت کی نامکمل تاریخ بھی۔ اس کے اشعار میں آپ مجھے بھی تلاش کر سکتے ہیں اور میرے شاعرانہ کردار کا سراغ بھی لگا سکتے ہیں۔

میں قلم کی نوک کو ضمیرِ آدم کی زبان سمجھتا ہوں اور فن کی شریعت میں جھوٹ بولنا میرے نزدیک ایک ایسا گناہ ہے جسے نہ تنقید برداشت کر سکتی ہے اور نہ تاریخ۔ میں روایت کا مُنکر ہوں نہ جدّت کا باغی بلکہ یوں ہے کہ میرے پاؤں ماضی کی ''سنہری'' خاک میں دھنسے ہُوئے ہیں اور سر مستقبل کے روشن خلاؤں کی زد میں ہے اس لیے میری شاعری بھی دونوں زمانوں کے ذائقوں کی شاعری ہے۔ ''برگِ صحرا'' کی اشاعت سے میں نہ تو اتنا نادم ہوں کہ آپ سے معذرت چاہوں اور نہ ہی اتنا مطمئن کہ آپ کی رائے سے بھی بے نیاز ہو جاؤں۔

میرے اشعار خواب ہیں، سچ مچ کے خواب جو اپنی تعبیروں کے لیے اکثر میری نیندیں جلا کر مجھے جاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں اگر آپ بھی کچھ دیر کو میرے ساتھ جاگ سکتے ہیں تو مجھے خوشی ہوگی......ورنہ مجھے تو بہرحال جاگنا ہی ہے!

محسن نقوی

۱۵ فروری ۱۹۷۸ء

اُجڑے ہُوئے لوگوں سے گریزاں نہ ہُوا کر
حالات کی قبروں کے یہ کتبے بھی پڑھا کر

کیا جانیے کیوں تیز ہَوا سوچ میں گم ہے؟
خوابیدہ پرندوں کو درختوں سے اُڑا کر

اُس شخص کے تم سے بھی مراسم ہیں تو ہوں گے
وہ جھوٹ نہ بولے گا مِرے سامنے آ کر

اب دستکیں دے گا تُو کہاں اے غمِ احباب!
میں نے تو کہا تھا کہ مِرے دل میں رہا کر

ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحوں میں کبھی رو بھی لیا کر

وہ آج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ڈھونڈا تھا جسے وقت کی دیوار گِرا کر

برہم نہ ہو کم فہمی کو تہ نظراں پر ....!
اے قامتِ فن اپنی بلندی کا گِلا کر

اے دل تجھے دشمن کی بھی پہچان کہاں ہے؟
تُو حلقہء یاراں میں بھی محتاط رہا کر!

میں مر بھی چکا ' مل بھی چکا موجِ ہوا میں
اب ریت کے سینے پہ مِرا نام لکھا کر

پہلا سا کہاں اب مِری رفتار کا عالم!
اے گردشِ دوراں ذرا تھم تھم کے چلا کر

اِس رُت میں کہاں پھول کھلیں گے دلِ ناداں؟
زخموں کو ہی وابستۂ زنجیرِ صبا کر

اِک رُوح کی فریاد نے چونکا دیا مجھ کو
تُو اب تو مجھے جسم کے زنداں سے رہا کر

اِس شب کے مقدر میں سحر ہی نہیں محسؔن
دیکھا ہے کئی بار چراغوں کو بجھا کر

☆

میں خود زمیں ہوں مگر ظرف آسمان کا ہے
کہ ٹوٹ کر بھی مِرا حوصلہ چٹان کا ہے

بُرا نہ مان ' مِرے حرف زہر زہر سہی
میں کیا کروں کہ یہی ذائقہ زبان کا ہے

ہر ایک گھر پہ مسلط ہے دل کی ویرانی

تمام شہر پہ سایا مِرے مکان کا ہے

بچھڑتے وقت سے اب تک میں یوں نہیں رویا
وہ کہہ گیا تھا ' یہی وقت امتحان کا ہے

مسافروں کی خبر ہے نہ دُکھ ہے کشتی کا
ہَوا کو جتنا بھی غم ہے وہ بادبان کا ہے

جو برگِ زرد کی صورت ہَوا میں اُڑتا ہے
وہ اِک ورق بھی مِری اپنی داستاں کا ہے

یہ اور بات ' عدالت ہے بے خبر ...... ورنہ
تمام شہر میں چرچا مِرے بیان کا ہے

اثر دکھا نہ سکا اُس کے دل میں اشک مِرا
یہ تیر بھی کسی ٹوٹی ہُوئی کمان کا ہے

بچھڑ بھی جائے مگر مجھ سے بے خبر بھی رہے
یہ حوصلہ ہی کہاں میرے بدگمان کا ہے

قفس تو خیر مقدر میں تھا مگر محسنؔ
ہَوا میں شور ابھی تک مِری اُڑان کا ہے

☆

بول اے سکوتِ دل کہ درِ بے نشاں کُھلے
مجھ پر کبھی تو عقدۂ ہفت آسماں کُھلے

یوں دل سے ہمکلام ہُوئی یادِ رفتگاں!
جیسے اِک اجنبی سے کوئی رازداں کُھلے!

سہمی کھڑی ہیں خوفِ تلاطم سے کشتیاں
موجِ ہَوا کو ضد کہ کوئی بادباں کُھلے

وہ آنکھ نیم وا ہو تو دل پھر سے جی اُٹھیں
وہ لب ہلیں تو قفلِ سکوتِ جہاں کُھلے

وہ جبر ہے کہ سوچ بھی لگتی ہے اجنبی
ایسے میں کس سے بات کریں ' کیا زباں کُھلے؟

جتنا ہَوا سے بندِ قبا کُھل گیا تِرا!
ہم لوگ اس قدر بھی کسی سے کہاں کُھلے؟

مُحسنؔ کی موت اِتنا بڑا سانحہ نہ تھی
اِس سانحے پر بال ترے رائیگاں کُھلے

☆

شفق کی جھیل میں جب سنگِ آفتاب گرے
ہمارے گھر پہ سیہ رات کا عذاب گرے

کہیں تو گردشِ ایّام تھک کے سانس بھی لے!
کبھی تو خیمۂ افلاک کی طناب گرے

کواڑ بند رکھو ' برق ڈھونڈتی ہے تمہیں
کسے خبر کہ کہاں خانماں خراب گرے؟

سر شکِ درد کُھلا اُس کے پیرہن پہ بہت
زمیں کی گود میں جیسے کوئی گُلاب گرے

کُھلی ہیں جھیل سی آنکھیں نہ جوئے درد چلی
اُفق سے کٹ کے کہاں عکسِ ماہتاب گرے؟

کہیں تو سلسلہ انتظار ختم بھی ہو!
کسی طرح تو یہ دیوارِ اضطراب گرے

کسی کے رائیگاں اشکوں کا کچھ حساب تو کر
فلک سے یوں تو ستارے بھی بے حساب گرے

غزل کے روپ میں وہ رُبرو جو ہو محسؔن
لبوں سے لفظ اُڑیں ' ہاتھ سے کتاب گرے

☆

بجز ہَوا ' کوئی جانے نہ سلسلے تیرے!
میں اجنبی ہوں ' کروں کس سے تذکرے تیرے؟

یہ کیسا قرب کا موسم ہے اے نگارِ چمن!
ہَوا میں رنگ نہ خوشبو میں ذائقے تیرے

مَیں ٹھیک سے تری چاہت تجھے جتا نہ سکا
کہ میری راہ میں حائل تھے مسئلے تیرے!

کہاں سا لاؤں ترا عکس اپنی آنکھوں میں
یہ لوگ دیکھنے آتے ہیں آئینے تیرے

گلوں کو زخم ' ستاروں کو اپنے اشک کہوں
سُناؤں خود کو ترے بعد تبصرے تیرے

یہ درد کم تو نہیں ہے کہ تُو ہمیں نہ ملا
یہ اور بات کہ ہم بھی نہ ہو سکے تیرے

جدائیوں کا تصور رُلا گیا تجھ کو!
چراغ شام سے پہلے ہی بجھ گئے تیرے

ہزار نیند جلاؤں ترے بغیر مگر

میں خواب میں بھی نہ دیکھوں وہ رتجگے تیرے

ہَوائے موسمِ گل کی ہیں لوریاں ' جیسے
بکھر گئے ہوں فضاؤں میں قہقہے تیرے

کسے خبر کہ ہمیں اب بھی یاد ہیں محسؔن
وہ کروٹیں شبِ غم کی وہ حوصلے تیرے

☆

میں دل پہ جبر کروں گا ' تجھے بُھلا دوں گا
مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا

یہ تیرگی مِرے گھر کا ہی کیوں مقدر ہو؟
میں تیرے شہر کے سارے دیئے بجھا دوں گا

ہَوا کا ہاتھ بٹاؤں گا ہر تباہی میں!
ہَرے شجر سے پرندے میں خود اُڑا دوں گا!

وفا کروں گا کسی سوگوار چہرے سے!
پُرانی قبر پہ کتبہ نیا سجا دوں گا

اسی خیال میں گزری ہے شامِ درد اکثر

کہ درد حد سے بڑھے گا تو مُسکرا دوں گا

تُو آسمان کی صورت ہے ' گِر پڑے گا کبھی
زمیں ہُوں میں بھی مگر تجھ کو آسرا دوں گا

بڑھا رہی ہیں میرے دُکھ ' نشانیاں تیری
میں تیرے خط ' تِری تصویر تک جلادوں گا

بہت دنوں سے مِرا دل اُداس ہے محسنؔ
اِس آئینے کو کوئی عکس اب نیا دوں گا

☆

وحشت میں سکون ڈھونڈتی ہے
جنگل کی ہَوا بھی سر پھری ہے

اس دل میں بسی ہے یاد تیری
پتّھر میں کرن چھپی ہُوئی ہے

یہ سوچ کے ہنس پڑے ستارے
انسان فلک پہ اجنبی ہے

زنداں میں ہَوا کہاں سے آئی؟

دیوار کہاں سے گِر پڑی ہے؟

اب پھول ملیں تو سنگ سمجھو!
اس شہر کی رُت بدل چکی ہے

رونق تو وہی ہے پھر بھی جیسے
اِک شخص کی شہر میں کمی ہے

خود کو بھی مِری نظر سے دیکھو
مخلوق تو جھوٹ بولتی ہے

گھر اپنا یہ کس نے پھونک ڈالا؟
تاحدِ نگاہ روشنی ہے!

ملتے ہو لباسِ دوستی میں
سوچو یہ کہاں کی دشمنی ہے؟

بندے بھی خدا بنے ہُوئے ہیں
محسن یہ کمالِ بندگی ہے

☆

بچھڑ کے مجھ سے کبھی تُو نے یہ بھی سوچا ہے
اَدھورا چاند بھی کتنا اُداس لگتا ہے

یہ ختم وصل کا لمحہ ہے ' رائیگاں نہ سمجھ
کہ اِس کے بعد وہی دُوریوں کا صحرا ہے

کچھ اور دیر نہ جھڑنا اُداسیوں کے شجر
کسے خبر ترے سائے میں کون بیٹھا ہے؟

یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اُس کو
وہ روٹھ کر بھی مجھے مُسکرا کے ملتا ہے

میں کس طرح تجھے دیکھوں ' نظر جھجکتی ہے
ترا بدن ہے کہ یہ آئینوں کا دریا ہے؟

کچھ اِس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق ترا
یہ زہر دل میں اُتر کر ہی راس آتا ہے

میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہُوا سا رہتا ہُوں
کبھی کبھی تو مجھے تُو نے ٹھیک سمجھا ہے

مجھے خبر ہے کہ کیا ہے جدائیوں کا عذاب
کہ میں نے شاخ سے گُل کو بچھڑتے دیکھا ہے

میں مُسکرا بھی پڑا ہُوں تو کیوں خفا ہیں یہ لوگ
کہ پھول ٹوٹی ہُوئی قبر پر بھی کِھلتا ہے

اُسے گنوا کے مَیں زندہ ہُوں اِس طرح محسنؔ
کہ جیسے تیز ہَوا میں چراغ جلتا ہے

☆

وہ دے رہا ہے "دِلاسے" تو عمر بھر کے مجھے
بچھڑ نہ جائے کہیں پھر اُداس کر کے مجھے

جہاں نہ تُو نہ تِری یاد کے قدم ہوں گے
ڈرا رہے وہی مرحلے سفر کے مجھے

ہوائے دشت مجھے اب تو اجنبی نہ سمجھ!
کہ اب تو بھول گئے راستے بھی گھر کے مجھے

یہ چند اشک بھی تیرے ہیں شامِ غم لیکن
اُجالنے ہیں ابھی خال و خد سحر کے مجھے

دلِ تباہ ترے غم کو ٹالنے کے لیے!
سُنا رہا ہے فسانے اِدھر اُدھر کے مجھے

قبائے زخم بدن پر سجا کے نکلا ہُوں
وہ اب مِلا بھی تو دیکھے گا آنکھ بھر کے مجھے

کچھ اس لیے بھی میں اُس سے چھڑ گیا محسنؔ
وہ دُور دُور سے دیکھے ٹھہر ٹھہر کے مجھے

☆

سمجھ سکا نہ مِرے چاند کوئی درد تِرا
مثالِ برگِ خزاں رنگ کیوں ہے زرد تِرا

جتا رہا ہے مجھے کتنی صحبتوں کا فراق
بجھا بجھا یہ بدن ' ہاتھ سرد سرد تِرا

وہ فاصلہ جسے صحرائے آ گہی کہیئے!
بھٹک گیا اُسی صحرا میں رہ نورد تِرا

بچھڑ چلا ہے تو اپنے نشاں مٹاتا جا!
پتہ بتائے گی اب راستے کی گرد تِرا!

بکھر بکھر کے ہَوا نے یہ کارواں سے کہا
بچھڑ گیا کسی رستے میں کوئی فرد تِرا

☆

مجھے خلاء میں بھٹکنے کی آرزو ہی سہی
کہ تُو مِلے نہ مِلے تیری جستجو ہی سہی

قریب آ شبِ تنہائی ' تجھ سے پیار کریں
تمام دن کی تھکن کا علاج تُو ہی سہی

بڑے خلوص سے ملتا ہے ' جب بھی ملتا ہے
وہ بے وفا تو نہیں ہے ' بہانہ جُو ہی سہی

مگر وہ اَبر سمندر پہ کیوں برستا ہے؟
زمین بانجھ سہی ' خاک بے نمُو ہی سہی

تم اپنے داغ سرِ پیرہن کی بات کرو
ہمارا دامنِ صد چاک بے رفو ہی سہی

یہ ناز کم تو نہیں ہے کہ اُن سے مل آئے
وہ ایک پل کو سرِ راہ گفتگو ہی سہی

جو اپنے آپ سے شرمائے ' کس سے بات کرے ؟
میں آئینے کی طرح اُس کے رُوبرُو ہی سہی

کسی طرح تو یہ تنہائیوں کی شام کٹے

وصالِ یار نہیں ، قربتِ عدو ہی سہی

یہ سجدۂ سرِ مقتل کا وقت ہے محسنؔ
خود اپنے خونِ رگِ جاں سے اب وضو ہی سہی

☆

فن میں یہ معجزہ بھی پیدا کر
پتّھروں سے بشر تراشا کر

کب سے اپنی تلاش میں گم ہوں
اے خدا مجھ کو مجھ پہ افشا کر

جس پہ اب اُنگلیاں اُٹھاتا ہوں
اُس کو مانگا تھا ہاتھ پھیلا کر

اے بچھڑ کر نہ لوٹنے والے!
دُکھ کی راتوں میں یاد آیا کر

جل چکا شہر ، مر چکے باسی!
اب بجھی راکھ ہی کریدا کر

عمر بھر مجھ پہ برف برسی ہے

دشت کی دھوپ مجھ پہ سایا کر

ایک تنہا شجر نے مجھ سے کہا!
میرے سائے میں روز بیٹھا کر

تُو کہ معجز نما ہے نام ترا
میں کہ ذرّہ ہُوں مجھ کو صحرا کر

اے مِرے کچھ نہ سوچنے والے!
اپنے بارے میں کچھ تو سوچا کر

میں عزادار ہُوں اندھیروں کا
تو سَحر ہے تو مجھ سے پردہ کر

اے سمندر کے ابرِ آوارہ!
دشت میں ایک پل تو ٹھہرا کر

کون بانٹے گا دُکھ ترے محسنؔ؟
دوستوں سے بھی چھپ کے رویا کر

☆

نبی نہ تھے مگر انساں پہ جاں چھڑکتے تھے
سُنا ہے اگلے زمانے کے لوگ اچھے تھے

وہ بستیاں بھی عجب تھیں وہ ہستیاں بھی عجب!
کہ آندھیوں میں بھی جن کے چراغ جلتے تھے

انہوں نے مجھ سے کہا تھا کسی سے لَو نہ لگا
اُجڑ کے سوچ رہا ہُوں وہ لوگ سچے تھے!

خود اپنی ذات کا غم بھی شریکِ حال رہا
وگر نہ ہم ترے غم سے کہاں بہلتے تھے

وہ شہر کیا ہُوئے جن کے برہنہ تن باسی
ردائے برگ کو ملبوسِ جاں سمجھتے تھے

وہ دَور بیت گیا جب ترے بغیر ہمیں
تمام شہر کے رستے اُداس لگتے تھے!

وہ لفظ بھول گئے جن کے آئینوں میں کبھی
ترے بدن کے خدوخال تک اُترتے تھے

وہ آنکھ بجھ گئی جس کی کِرن کِرن کے لیے
کبھی کبھی تو ترے ہونٹ بھی ترستے تھے!

وہ سحر ٹوٹ گیا جس کے آسرے پہ کبھی!
ہم آسماں کو بھی تیری گلی سمجھتے تھے

وہ رنگ رُوٹھ گئے جو ہَوائے شام کے ساتھ
ترے خنک لب و رخسار پر بکھرتے تھے

تُو کل اِدھر سے جو گزرا تو اہلِ شہر کے ساتھ
بُرا نہ مان کہ ہم خود بھی تجھ پہ ہنستے تھے

☆

سر بارِ دوشِ وحشت و موجِ نفس عذاب
آوارگی کی رُت میں ہے' کنجِ قفس عذاب

آنکھیں بجھیں تو شہر میں ہر سُو بکھر گیا
بے منظری کے دُکھ میں مِرے پیش و پس عذاب

ہر لحظہ انتظارِ نزولِ شعاعِ برق!
تعمیرِ آشیاں کے لیے خار و خس' عذاب

اِس کے بغیر موت کو کیا کہیے صرف حبس
اِس کے سوا حیات بھی کیا شے ہے' بس عذاب

دامن کی وسعتوں پہ نہ جا اے نگاہِ یار!
بخشش تری درست پر اپنی ہوس عذاب

اِس دورِ کور چشم و ہُنر ناشناس میں!
چشمِ کشادہ قہر ' دلِ نکتہ رس عذاب

محسنؔ یہ فصلِ گل بھی قیامت تھی ' ٹل گئی
اب دیکھنا پڑے گا پھر اگلے برس عذاب

☆

دل وقفِ سیل دیدۂ پُر آب ہی تو ہے
آخر کہیں رُکے گا کہ سیلاب ہی تو ہے

کافی ہے اضطراب کو دل میں لہو کی بوند
وہ بھی مثالِ موجۂ سیماب ہی تو ہے

ہم سے نہ رُوٹھ ' صبح کے تارے ' ترے نثار
تُو بھی قتیلِ شیوۂ احباب ہی تو ہے

خوشبو ' ہَوا میں ریزۂ پیراہنِ بہار!
شبنم ' گلوں کا گریۂ شاداب ہی تو ہے

نوحۂ شکستِ دل کی ہے آوازِ بازگشت
نغمہ ' سفیرِ جنبشِ مضراب ہی تو ہے

جو کچھ بھی سُن رہا تھا ' صدائے سکوت تھی
جو کچھ بھی دیکھتا ہُوں وہ سب خواب ہی تہ ہے

سلِ فنا کی موج میں بہہ جائے گی کبھی!
اپنی زمیں بھی گردِ رُخِ آب ہی تو ہے

نکلے گا کب حدودِ مکاں سے بشر کا ذہن؟
اب بھی اسیرِ قریۂ مہتاب ہی تو ہے

اہلِ ہوس کی لذّتِ کام و دہن کی خیر!
اپنا لہو بھی مثلِ مئے ناب ہی تو ہے

مُحسنؔ مسرتوں کی طلب رائیگاں سمجھ!
عالم کتابِ درد کا اِک باب ہی تو ہے

جسم تڑپا ہے خاک پر تنہا
رُوح کرتی رہی سفر تنہا

نیند والوں کو کیا خبر اس کی؟
کون جاگا ہے رات بھر تنہا؟

لوگ سوئے تھے بند کمروں میں
چاند بھٹکا ہے در بدر تنہا

ساتھ دیتا ہے کون منزل تک؟
ساتھ چلتی ہے رہگزر تنہا

شہر کا شہر بجھتا جاتا تھا
جا رہا تھا وہ اپنے گھر تنہا

اے غمِ زندگی کی رات کے چاند
ڈھونڈ مجھ کو نگر نگر تنہا

وہ جو ہنستا تھا اہلِ دِل پہ کبھی
رو پڑا خود کو دیکھ کر تنہا

بھول کر اپنے حسن کے آداب
میرے دِل میں کبھی اُتر تنہا

یہ خداؤں کا دَور ہے اس میں
رہ گیا ہے فقط بشر تنہا

یاد آئے ہزار شہر مجھے
جب بھی دیکھا کوئی کھنڈر تنہا

اِس بھرے شہر میں کبھی محسنؔ
انجمن تھا کوئی مگر تنہا

☆

مِری محبت تو اِک گُہر ہے، تِری وفا بے کراں سمندر
تُو پھر بھی مجھ سے عظیم تر ہے، کہاں گُہر ہے کہاں سمندر!

یقیں ہے، دھوکے میں آ کے اُترا ہے چاند، پانی کی سلطنت میں
بلندیوں سے دکھائی دیتا ہے، ہُو بہُو آسماں سمندر

ازل سے بے سمت جستجو کا سفر ہے درپیش پانیوں کو
کسے خبر کس کو ڈھونڈتا ہے مِری طرح رائیگاں سمندر؟

میں تشنہ لب دُور سے جو دیکھوں تو ہر طرف سیلِ آب پاؤں
فریب جاؤں تو ریت شعلہ، غبار ساحل، دھواں سمندر

ہمارے دِل میں چھپے ہُوئے درد کی خبر چشمِ تر کو ہوگی!
سُنا ہے زیرِ زمیں خزانوں کا ہے فقط رازداں، سمندر

میں استعاروں کی سرزمیں پر اُتر کے دیکھوں تو بھید پاؤں
بشر مسافر، حیات صحرا، یقیں ساحل، گماں سمندر

جہاں جہاں شامِ غم کی افسردگی کا ماتم بپا ہُوا ہے!
اُفق سے ہنس کر گلے ملا ہے وہاں وہاں مہرباں سمندر

وفا کی بستی میں رہنے والوں سے ہم نے محسنؔ یہ طور سیکھا
لبوں پہ صحرا کی تشنگی ہو، مگر دِلوں میں نہاں سمندر

☆

ہم جو پہنچے سرِ مقتل تو یہ منظر دیکھا
سب سے اونچا تھا جو سر، نوکِ سناں پر دیکھا

ہم سے مت پوچھ کہ کب چاند اُبھرتا ہے یہاں؟
ہم نے سورج بھی ترے شہر میں آکر دیکھا

پیاس یاروں کو اب اُس موڑ پہ لے آئی ہے
ریت چمکی تو یہ سمجھے کہ سمندر دیکھا

ایسے لپٹے ہیں دَر و بام سے اب کے جیسے
حادثوں نے بڑی مدت میں مِرا گھر دیکھا

زندگی بھر نہ ہُوا ختم قیامت کا عذاب
ہم نے ہر سانس میں برپا نیا محشر دیکھا

اِتنا بے حس کہ پگھلتا ہی نہ تھا باتوں سے
آدمی تھا کہ تراشا ہُوا پتّھر دیکھا

دُکھ ہی ایسا تھا کی رویا ترا محسنؔ ورنہ
غم چھپا کر اُسے ہنستے ہُوئے اکثر دیکھا

☆

خوشی کا غم ہے نہ غم کی کوئی خوشی اب تو!
بہت اُداس گزرتی ہے زندگی اب تو!

ترے بغیر بھی دِل کی تسلیوں کے لیے!
اِک اانتظار کی شب تھی، سو ڈھل چکی اب تو

اِک آشنا کے بچھڑنے سے کیا نہیں بدلا؟
ہَوائے شہر بھی لگتی ہے اجنبی اب تو

تمام رات رہی دِل میں روشنی کی لکیر!
مثالِ شمعِ سحر وہ بھی جل بجھی اب تو

چلی تھی جن سے یہاں رسمِ خود نگہداری
اُنہیں عزیز ہُوا ذکرِ خودکشی اب تو

کہاں گئے وہ شناسا وہ اجنبی چہرے!
اُجاڑ سی نظر آتی ہے ہر گلی اب تو

☆

اس طرح مِرے ذہن میں اُترا ہُوا تُو ہے
جیسے کسی مہتاب کا سایا لبِ جُو ہے

انساں ہیں کہ پتّھر کے تراشے ہُوئے بت ہیں
سانسوں میں حرارت ہے نہ شہ رگ میں لہُو ہے

اِک گرمئ رفتار مِرے پاؤں کی زنجیر!
اِک شعلۂ آواز مِرا طوقِ گلُو ہے

دیکھوں تو ہر اِک موڑ پہ ہنگامۂ محشر!
سوچوں تو بھرے شہر میں اِک عالمِ ہُو ہے

دونوں کے خدوخال پہ سایا ہے ہوس کا
حالات نے بخشا ہے کسے، میں ہُوں کہ تُو ہے؟

انساں کو جلا دے گئی اِحساس کی گرمی!
کہنے کو تو پتّھر میں بھی اِک ذوقِ نمُو ہے

میں تیرہ مقدر ہُوں کہاں تک اُسے چاہوں
وہ شعلہ بدن، برق نظر آئینہ رُو ہے

سوچوں تو جھلس جائے ہر اِک یاد کا چہرہ!
محسؔن مِری نس نس میں غمِ دہر کی لُو ہے

☆

لہو کی موج ہوں اور جسم کے حصار میں ہُوں
رواں رہوں بھی تو کیسے کہ برف زار میں ہُوں

جہانِ شامِ الم کے اُداس ہمسفرو
مجھے تلاش کرو، میں اسی دیار میں ہُوں

میں پھول بھی ہُوں مِرے پیرہن میں رنگ بھی ہے
مگر ستم یہ ہُوا ہے کہ ریگ زار میں ہُوں

چراغِ راہ سہی خود فریب ہُوں اتنا
کہ شب کی آخری ہچکی کے انتظار میں ہُوں

ہر ایک پل مجھے خوفِ شکست ہے محسنؔ
میں آئینہ ہُوں مگر دستِ سنگبار میں ہُوں

☆

سوز اِتنا تو نَوا میں آئے
اُس کا پیغام ہَوا میں آئے

مثلِ گُل اب کے ہو وحشت اپنی
زخم کا رنگ قبا میں آئے

دِل میں یوں چپکے سے اُترا کوئی
جیسے جبریل ''حِرا'' میں آئے

یوں اچانک تجھے پایا مَیں نے
جیسے تاثیر دُعا میں آئے

چاند نے جھک کے ستاروں سے کہا
کتنے انسان خلا میں آئے

حادثہ ضبط کا دُشمن ہے اگر
حوصلہ اہلِ وفا میں آئے

اب تو لب کھول دہن بستہ مِرے
زلزلہ ارض و سما میں آئے

روگ کیا جی کو لگا ہے محسنؔ!
زہر کا نام دوا میں آئے

☆

شامل مِرا دُشمن صفِ یاراں میں رہے گا
یہ تیر بھی پیوست رگِ جاں میں رہے گا

اِک رسمِ جنوں اپنے مقدر میں رہے گی
اِک چاک سدا اپنے گریباں میں رہے گا

اِک اشک ہے آنکھوں میں سو چمکے گا کہاں تک؟
یہ چاند زدِ شامِ غریباں میں رہے گا

میں تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں تجھ سے جُدا ہُوں
تو خواب صفت دیدۂ گریاں میں رہے گا

رنگوں کی کوئی رُت تِری خوشبو نہیں لائی
یہ داغ بھی دامانِ بہاراں میں رہے گا!

اب کے بھی گزر جائیں گے سب وصل کے لمحے
مصروف کوئی وعدہ و پیماں میں رہے گا

میں حرفِ جنوں کہہ نہ سکوں گا' جو کہوں بھی
اِک راز کی صورت دِلِ امکاں میں رہے گا

محسنؔ میں حوادث کی ہواؤں میں گھرا ہُوں
کیا نقشِ قدم دشت و بیاباں میں رہے گا؟

☆

نیا ہے شہر' نئے آسرے تلاش کروں
تُو کھو گیا ہے ' کہاں اب تجھے تلاش کروں

جو دشت میں بھی جلاتے تھے فصلِ گُل کے چراغ
میں شہر میں بھی وہی آبلے تلاش کروں؟

تُو عکس ہے تو کبھی میری چشمِ تر میں اُتر!
ترے لیے میں کہاں آئینے تلاش کروں!

تجھے حواس کی آوارگی کا علم کہاں!
کبھی میں تجھ کو تِرے سامنے تلاش کروں!

غزل کہوں ' کبھی سادہ سے خط لکھوں اُس کو
اُداس دِل کے لیے مشغلے تلاش کروں!

مِرے وجود سے شاید ملے سراغ تِرا
کبھی میں خود کو تِرے واسطے تلاش کروں

میں چپ رہوں کبھی بے وجہ ہنس پڑوں مُحسنؔ
اُسے گنوا کے عجب حوصلے تلاش کروں

☆

گُم صُم ہُوا ' آواز کا دریا تھا جو اِک شخص
پتّھر بھی نہیں اب وہ ' ستارا تھا جو اِک شخص

شاید وہ کوئی حرفِ وفا ڈھونڈ رہا تھا
چہروں کو بڑے غور سے پڑھتا تھا جو اِک شخص

صحرا کی طرح دیر سے پیاسا تھا وہ شاید
بادل کی طرح ٹوٹ کے برسا تھا جو اِک شخص

اے تیز ہَوا کوئی خبر اُس کے جنوں کی!
تنہا سفرِ شوق پہ نکلا تھا جو اِک شخص؟

اب آخری سطروں میں کہیں نام ہے اُس کا
احباب کی فہرست میں پہلا تھا جو اِک شخص!

ہاتھوں میں چھپائے ہُوئے پھرتا ہے کئی زخم
شیشے کے کھلونوں سے بہلتا تھا جو اِک شخص

مُڑ مُڑ کے اُسے دیکھنا چاہیں مِری آنکھیں
کچھ دُور مجھے چھوڑنے آیا تھا جو اِک شخص

اب اُس نے بھی اپنا لیے دُنیا کے قرینے
سائے کی رفاقت سے بھی ڈرتا تھا جو اِک شخص

ہر ذہن میں کچھ نقشِ وفا چھوڑ گیا ہے
کہنے کو بھرے شہر میں تنہا تھا جو اِک شخص

مُنکر ہے وہی اب مِری پہچان کا محسنؔ
اکثر مجھے خط خون سے لکھتا تھا جو اِک شخص

☆

لوگوں کے لیے صاحبِ کردار بھی مَیں تھا
خود اپنی نگاہوں میں گنہگار بھی مَیں تھا

کیوں اب مِرے منصب کی سلامی کو کھڑے ہو
یارو کبھی رُسوا سرِ بازار بھی مَیں تھا

مَیں خود ہی چھپا تھا کفِ قاتل کی شکن میں
مقتول کی ٹوٹی ہُوئی تلوار بھی مَیں تھا

چھینٹے ہیں جہاں اب مِرے معصوم لہو کے
اُس فرقِ فلک ناز کی دستار بھی مَیں تھا

میری ہی صدا لوٹ کے آئی ہے مجھی تک
شاید حدِ افلاک کے اُس پار بھی مَیں تھا

منزل پہ جو پہنچا ہُوں تو معلوم ہُوا ہے!
خود اپنے لیے راہ کی دیوار بھی مَیں تھا

اب میرے تعارف سے گریزاں ہے تُو لیکن
کل تک تِری پہچان کا معیار بھی مَیں تھا

دیکھا تو مَیں افشا تھا ہر اِک ذہن پہ محسنؔ
سوچا تو پسِ پردۂ اسرار بھی مَیں تھا

☆

اُجڑ اُجڑ کے سنورتی ہے تیرے ہجر کی شام
پوچھ کیسے گزرتی ہے تیرے ہجر کی شام؟

یہ برگ برگ اُداسی بکھر رہی ہے مِری!
کہ شاخ شاخ اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام

اُجاڑ گھر میں کوئی چاند کب اُترتا ہے؟
سوال مجھ سے یہ کرتی ہے تیرے ہجر کی شام

مِرے سفر میں اِک ایسا بھی موڑ آتا ہے
جب اپنے آپ سے ڈرتی ہے تیرے ہجر کی شام

بہت عزیز ہیں دِل کو یہ زخم زخم رُتیں!
انہی رُتوں میں نکھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ میرا دِل یہ سراسر نگار خانۂ غم
سدا اسی میں اُترتی ہے تیرے ہجر کی شام!

جہاں جہاں بھی ملیں تیرے قربتوں کے نشاں
وہاں وہاں سے ابھرتی ہے تیرے ہجر کی شام

یہ حادثہ تجھے شاید اُداس کر دے گا
کہ میرے ساتھ ہی مرتی ہے تیرے ہجر کی شام

☆

ایسے تنہا گھر میں کیونکر جایئے؟
اپنے سائے سے جہاں ڈر جایئے!

وہ نہیں ' تو کون دیکھے گا ہمیں!
شہر میں کیوں بن سنور کر جایئے؟

رویئے اتنا کہ اشکوں سے کبھی
دامنِ دشتِ وفا بھر جایئے

ڈھونڈ ہی لیں گی ہمیں ویرانیاں
شہر میں رہیے کہ اب گھر جایئے

دِل کی خاطر زندہ رہیے کب تلک؟
دِل ہی کہتا ہے کہ اب مَر جایئے

تھم گئی رُسوائی کی وحشی ہَوا!
ختم ہے اب شورِ محشر ' جایئے

کل ہمیں ہیرے تھے سارے شہر میں
اب ہمیں ٹھہرے ہیں پتّھر ' جایئے

سب وفا ناآشنا دِل کے بغیر
مانیے سب کی کہ دِل پر جایئے

☆

وہ جس کا نام بھی لیا پہیلیوں کی اوٹ میں
نظر پڑی تو چھپ گئی سہیلیوں کی اوٹ میں

رُکے گی شرم سے کہاں یہ خال و خد کی روشنی؟
چھپے گا آفتاب کیا ہتھیلیوں کی اوٹ میں؟

ترے مرے ملاپ پر وہ دُشمنوں کی سازشیں
وہ سانپ رینگتے ہُوئے ' چنبیلیوں کی اوٹ میں

وہ تیرے اشتیاق کی ہزار حیلہ سازیاں
وہ میرا اضطراب یار بیلیوں کی اوٹ میں

چلو کہ ہم بجھے بجھے سے گھر کا مرثیہ کہیں!
وہ چاند تو اُتر گیا ' حویلیوں کی اوٹ میں

☆

پھر وہی مَیں ہُوں وہی درد کا صحرا یارو
تم سے بچھڑا ہُوں تو دُکھ پائے ہیں کیا کیا یارو!

پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا ...... یارو

یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رُتیں .....!
کس بیاباں میں ہو' بولو مِرے تنہا .... یارو

تم تو نزدیکِ رگِ جاں تھے' تمہیں کیا کہتا ؟
میں نے دُشمن کو بھی دُشمن نہیں سمجھا یارو

آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے؟
کچھ بتاؤ کہ مِرا شہر ہے پیاسا ...... یارو

کیا کہوں گُل ہے کہ شبنم وہ غزل ہے کہ غزال؟
تم نے دیکھا ہی نہیں اُس کا سراپا یارو

کون تنہا رہے اِک عمر کسی کی خاطر؟
وہ جو مل جائے تو اُس سے بھی یہ کہنا یارو

اُس کے ہونٹوں کے تبسّم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسنؔ کو بہت دیر میں سمجھا یارو

☆

ہم وہ ہیں جن کو حفظِ مرتب کا غم نہیں
نوکِ سناں بھی تختِ سلیماں سے کم نہیں

اُتریں بصد خروش ہَواؤں کے قافلے
صحرا حریصِ دولتِ نقشِ قدم نہیں!

وہ اپنا سر نہ تھا جسے آئی نہ سرکشی
جو سرنگوں ہُوا وہ ہمارا علم نہیں

اب کیا کہیں یہ سنگدلی ہے کہ بے حسی؟
دِل ہے غموں کی زد پہ مگر آنکھ نم نہیں

ہر سانس قرض ہے تو پھر اے دِلِ شکستگی
مرنے کو زندگی کی یہ تہمت بھی کم نہیں

کیوں لیجے اِس سے کام تری رونمائی کا
کیا کیجے اپنا دِل ہے ' کوئی جامِ جم نہیں

☆

لوٹ کر کوئی آتا ہے کب ' دیکھیے!
ہر گھڑی سُوئے دَر بے سبب دیکھیے

اپنے زخموں کی پُرسش سے فارغ نہیں
کیا ترا ' خندۂ زیرِ لب دیکھیے؟

کتنے سورج بجھے کتنے تارے گرے
گرم رفتارئِ روز و شب دیکھیے

خواہشِ زخم تھی ' پھول چننے لگے!
ہم فقیروں کا حسنِ طلب دیکھیے

اُس سے ترکِ تعلق بھی کر آئے ہم
کیا قیامت گزرتی ہے اب ' دیکھیے

اِک پُرانی کشش اُس میں آباد ہے
اِک نیا رُوپ ہے ' اُس کو جب دیکھیے

آسمانوں کی بخشش پہ مت جایئے
شہر کا شہر ہے تشنہ لب دیکھیے

وصل کا دن تو محسنؔ یونہی ڈھل گیا
ہجر میں کیسے کٹتی ہے شب ' دیکھیے؟

☆

ہم کو بھی چھپا اے شبِ غم اپنے پروں میں
ہم لوگ بھی شامل ہیں ترے ہمسفروں میں

اے دیدہ وری میں ترے معیار کا مجرم!
پھر لے کے چلا اپنے گُہر کم نظروں میں

بادل تو برستے ہیں مگر بانجھ زمیں پر
سورج تو اُبھرتا ہے مگر بے بصروں میں

ممکن ہو تو ہر اِک دَر و دیوار پہ لکھ دوں
پتّھر نہ چھپایا کرو شیشے کے گھروں میں

مرہم کی جگہ بانٹتے پھرتے ہیں نئے زخم!
یہ رسم بھی نکلی ہے عجب چارہ گروں میں

اس گھر کے محافظ بھی خبردار ہیں کتنے؟
سوراخ تو چھت میں ہُوئے تالے ہیں دروں میں

اے دوست ترا درد کہاں راحتِ جاں تھا؟
تُو ہم کو غنیمت سمجھ آشفتہ سروں میں

اس شہر میں رہتا ہُوں اِس انداز سے محسؔن
جیسے کوئی فنکار پھرے بے ہنروں میں!

☆

خواہشوں کے زہر میں اخلاص کا رس گھول کر
وہ تو پتّھر ہو گیا دو چار دن ہنس بول کر

دِل ہجومِ غم کی زد میں تھا ' سنبھلتا کب تلک؟
اِک پرندہ آندھیوں میں رہ گیا پَر تول کر

اپنے ہونٹوں پر سجا لے قیمتی ہیروں سے لفظ
اپنی صورت کی طرح باتیں بھی تو انمول کر

آج اُس کی حدِّ بخشش ہے ترے سر سے بلند
آج اپنے سر سے بھی اُونچا ذرا کشکول کر

بند ہاتھوں کا مقدر تھیں سبھی کرنیں مگر
سارے جگنو اُڑ گئے ' دیکھا جو مٹھی کھول کر

شہر والے جھوٹ پر رکھتے ہیں بنیادِ خلوص
مجھ کو پچھتانا پڑا محسنؔ یہاں سچ بول کر

☆

چبھتے اشکوں سے بجھی آنکھیں نہ چمکایا کرو
کانچ کے ٹکڑوں سے اپنا دِل نہ بہلایا کرو

مجھ کو فرصت ہی نہیں ملتی خود اپنے آپ سے
روٹھنے والو مجھے اب یاد کم آیا کرو

دوستو اپنی زباں سے مَیں ابھی واقف نہیں
جب مِری باتیں سمجھ لو ' مجھ کو سمجھایا کرو

اب تمہیں بھی شہر والوں کی ہنسی ڈسنے لگی!
میں نہ کہتا تھا مِرا دُکھ تم نہ اپنایا کرو

کل تھکے ہارے پرندوں نے نصیحت کی مجھے
شام ڈھل جائے تو محسؔن تم بھی گھر جایا کرو

☆

تمام عمر وہی قصۂ سفر .... کہنا!
کہ آسکا نہ ہمیں اپنے گھر کو گھر کہنا

جو دن چڑھے تو ترے وصل کی دُعا کرنا
جو رات ہو تو دُعا ہی کو بے اثر کہنا

یہ کہہ کے ڈوب گیا آج آخری سورج
کہ ہو سکے تو اسی شب کو اب سحر کہنا

میں اب سکوں سے رہوں گا کہ آ گیا ہے مجھے
کمالِ بے ہُنری کو بھی اِک ہُنر کہنا

وہ شخص مجھ سے بہت بدگماں سا رہتا ہے
یہ بات اُس سے کہو بھی تو سوچ کر کہنا

کبھی وہ چاند جو پوچھے کہ شہر کیسا ہے؟
بجھے بجھے ہُوئے لگتے ہیں بام و دَر .... کہنا

ہمارے بعد عزیزو ' ہمارا افسانہ!
کبھی جو یاد بھی آئے تو مختصر .... کہنا

وہ ایک میں کہ مِرا شہر بھر کو اپنے سوا
تِری وفا کے تقاضوں سے بے خبر کہنا

وہ ایک تُو کہ تِرا ہر کسی کو میرے بغیر
معاملاتِ محبت میں معتبر کہنا

وفا کی طرز ہے محسنؔ کہ مصلحت ' کیا ہے؟
یہ تیرا دُشمنِ جاں کو بھی چارہ گر کہنا

☆

رہتے تھے پستیوں میں مگر خود پسند تھے
ہم لوگ اِس لحاظ سے کتنے بلند تھے!

آخر کو سو گئی کھلی گلیوں میں چاندنی!
کل شب تمام شہر کے دروازے بند تھے

گزرے تو ہنستے شہر کو نمناک کر گئے
جھونکے ہوائے شب کے بڑے دردمند تھے

موسم نے بال و پر تو سنوارے بہت مگر
اُڑتے کہاں کہ ہم تو اسیرِ کمند تھے!

وہ ایک تُو کہ ہم کو مٹا کر تھا مطمئن!
وہ ایک ہم کہ پھر بھی حریصِ گزند تھے!

محسنؔ ریا کے نام پہ ساتھی تھے بے شمار
جن میں تھا کچھ خلوص وہ دُشمن بھی چند تھے

☆

بہت ہُوا کہ غمِ دوجہاں کی زد میں نہیں
کہ میں اسیرِ زمان و مکاں کی حد میں نہیں

مِرے ملاپ کی خواہش ہے گر تو چاند نہ بن
کہ آسماں کی بلندی تو میرے قد میں نہیں

سفیرِ موسمِ گُل ہے ' صبا کا پرچم ہے
وہ برگِ تر جوابھی تک خزاں کی زد میں نہیں

ابھی نہ دام لگا اے خود آگہی اپنے!!
ابھی متاعِ جنوں دامنِ خرد میں نہیں

طلب خوشی کی نہ غم کی کشش کہ دِل جیسے
بہت دنوں سے حصارِ قبول وَرَد میں نہیں

صبا نے دامنِ گُل میں چھپا کے رکھا ہے
وہ بھولپن جو ابھی تیرے خال و خد میں نہیں

جو اعتبار تھا پیماں شکستگی میں نہاں
نجانے کیوں وہ تیرے قولِ مُستند میں نہیں

یہ کہہ کے روح بدن سے بچھڑ گئی محسنؔ
مجھے سکوں تری ٹوٹی ہُوئی لحد میں نہیں

☆

اب رفتگاں کی یاد کا کچھ تو پتا بھی دے!
اے شام دُکھ دیا ہے تو پھر حوصلہ بھی دے

چبھتے ہیں اب تو اشک بھی رہ رہ کے آنکھ میں
موجِ ہوائے شب یہ چراغاں بجا بھی دے

کیا قہر ہے فلک کا ستم بھی زمیں پہ ہو
گرنے لگے فلک تو زمیں آسرا بھی دے!

مجھ کو تو حرفِ حق کی طلب تھی سو پا لیا
میں نے یہ کب کہا تھا مجھے "کربلا" بھی دے

اب کچھ تو کم ہو دِل زدگاں کی فسردگی
اے درد رات ڈھلنے لگی ' مُسکرا بھی دے

ہر فرد ابتدا کی مسافت میں شل ہُوا
کوئی تو ہو جو اب خبرِ انتہا بھی دے

کب تک ہنسے گی تجھ پہ یہ محرومیوں کی شام؟
وہ شخص بے وفا تھا ' اُسے اب بھلا بھی دے

محسنؔ سا اہلِ دِل تو دِکھا اپنے شہر میں
محسنؔ تو ہنس کے زخم بھی کھائے ' دُعا بھی دے

☆

فلک پر اِک ستارا رہ گیا ہے
مِرا ساتھی اکیلا رہ گیا ہے

یہ کہہ کر پھر پلٹ آئیں ہوائیں!
شجر پر ایک پتّا رہ گیا ہے

ہر اِک رُت میں تِرا غم ہے سلامت
یہ موسم ایک جیسا رہ گیا ہے

ہمارے بعد کیا گزری عزیزو!
سناؤ شہر کیسا رہ گیا ہے؟

برس کچھ اور اے آوارہ بادل
کہ دِل کا شہر پیاسا رہ گیا ہے

خداوندا سنبھال اپنی امانت
بشر دنیا میں تنہا رہ گیا ہے

حوادث کس لیے ڈھونڈیں گے مجھ کو؟
مِرے دامن میں اب کیا رہ گیا ہے؟

ستارے بانٹتا پھرتا ہوں محسنؔ
مگر گھر میں اندھیرا رہ گیا ہے

☆

ادراک پر محیط ہے ارض و سما کا دُکھ
اِس سے پرے بھی جو ہے وہ ہے ماورا کا دُکھ

دِل نے کہا نہ دیکھ سُوئے آسماں کہ یوں!
بڑھتا ہے نارسائی دستِ دُعا کا دُکھ

ورنہ سکوتِ مرگ کہاں اور ہم کہاں؟
حیران کر گیا ہمیں اپنی صدا کا دُکھ

دِل میں اب اور کیا ہے جسے ڈھونڈتی ہے خلق
کافی ہے زندگی کو شکستِ اَنا کا دُکھ

سُن لو مسافرانِ بیابانِ شامِ غم!
بخشے گا ابتدا کا سفر انتہا کا دُکھ

کیوں اِن دنوں سوار ہے دو کشتیوں پہ دِل
چاہت اِک اجنبی کی تو اِک آشنا کا دُکھ

محسنؔ خزاں کا نام بدل کر لکھو اِسے
نایابی نقوشِ خرامِ صبا کا دُکھ ......!

☆

وحشتیں بکھری پڑی ہیں، جس طرف بھی جاؤں مَیں
گھوم پھر آیا ہُوں اپنا شہر، تیرا گاؤں مَیں

کس کو راس آیا ہے اتنی دیر تک کا جاگنا
وہ جو مل جائے تو اُس کو بھی یہی سمجھاؤں مَیں

اب تو آنکھوں میں اُتر آئی ہیں دِل کی وحشتیں
آئینہ دیکھوں تو اپنے آپ سے ڈر جاؤں مَیں

کچھ بتا اے ماتمی راتوں کی دھندلی چاندنی!
بھولنے والوں کو آخر کس طرح یاد آؤں مَیں؟

اب کہاں وہ دِل کہ صحرا میں بہلتا ہی نہ تھا
اب تو اپنے گھر کی تنہائی سے بھی گھبراؤں مَیں

یاد کر کے تیرے لوٹ آنے کے وعدوں کی گھڑی
خود کو اِک معصوم بچے کی طرح بہلاؤں مَیں

میرے خوابوں نے تراشا تھا ترا اُجلا بدن
آ تجھے اب فکر کی پوشاک بھی پہناؤں میں

کس لیے محسنؔ کسی بے مہر کو اپنا کہوں!
دِل کے شیشے کو کسی پتّھر سے کیوں ٹکراؤں میں؟

☆

اہلِ جفا سے ربطِ وفا توڑ دیجیے!
اب جی میں ہے کی شہر ترا چھوڑ دیجیے!

مڑ مڑ کے دیکھیے نہ لُٹے منظروں کی سمت
آنکھیں جو ضد کریں تو انہیں پھوڑ دیجیے

کہتی ہیں دِل زدوں سے بیاباں کی وسعتیں
رُخ اپنی وحشتوں کا اِدھر موڑ دیجیے!

ہر آنکھ زخم زخم ہے ہر دِل ہے چُور چُور
اب اتنے آئینوں کو کہاں جوڑ دیجیے!

☆

چھڑ گئی اُس سے اہلِ درد کی بات
دیکھیے کیا ہو صورتِ حالات!

زندگی ہے اُداس اور تنہا!
جیسے یخ بستہ کوہسار کی رات

ہر طرف ہے ہجومِ تنہائی!
جیسے جنگل میں وحشیوں کی برات

کتنی کمیاب ہے متاعِ خلوص
یومِ عاشور جیسے موجِ فرات

رات تُو اِس طرح سے یاد آیا
جیسے نازل ہوں ذہن پر آیات

ماورا ہے حروف سے وہ بدن
شل ہُوئی جا رہی ہیں تشبیہات

کس نے چھینا تبسّم غمِ دوست؟
ڈوبتی جا رہی ہے نبضِ حیات

میں نے مانا ہے ایسے خالق کو
جس کی تخلیق کو نہیں ہے ثبات

ایسے تقسیم ہو رہا ہے بشر
جس طرح بانٹ دے کوئی خیرات

چاند بھی پتھروں کی وادی ہے
دیکھ اپنی عظیم تخلیقات!

میں نے پایا ہے وہ جہاں محسنؔ
جس میں ممکن نہیں دُکھوں سے نجات

☆

ہر اِک قدم پہ یہ خدشہ مِری نگاہ میں ہے
کہ دشتِ شامِ غریباں سحر کی راہ میں ہے

ابھی کچھ اور بھڑک اے چراغِ تنہائی!
ترا وجود غنیمت شبِ سیاہ میں ہے

اُتر رہا ہے ترا درد دِل میں یاسرِ شام!
ورودِ موسمِ گُل دشتِ بے گیاہ میں ہے؟

جہاں پناہ ترا عدل مستند ہے مگر!
چھپا ہُوا مِرا قاتل تری سپاہ میں ہے

ہَوا چلی تو میں اس معجزے کو مان گیا
کہ بجلیوں کی تڑپ بھی وجودِ کاہ میں ہے

گنوا چکا ہے تو اِک دن بُھلا بھی دے گا تجھے
کہ حوصلہ ابھی اتنا دِلِ تباہ میں ہے!

یقین کون کرے میری بے گناہی کا
یہ تاب مجھ میں نہ جرأت مِرے گواہ میں ہے

ہمارے بعد اُداسی ہے ہر طرف محسؔن
بہار گھر میں نہ رونق وہ قتل گاہ میں ہے

☆

روشنی تیرے "سفیروں" کا نشاں باقی ہے
دامنِ شب میں چراغوں کا دھواں باقی ہے

حشر تو ہو بھی چکا تیرے بچھڑ جانے پر
دِل میں کیوں وسوسۂ سود و زیاں باقی ہے

اب تجھے یاد دلانے کے لیے کچھ بھی نہیں!
صرف اِک عہدِ وفا ' وہ بھی کہاں باقی ہے؟

رہروؤ ' دھوپ نے جُھلسا دیے قدموں کے نشاں
پھر بھی اِک واہمۂ ابرِ رواں باقی ہے

دِل کو اب شوق سے تاراج کرے برقِ عذاب
اُٹھ گئے سارے مکیں ' صرف مکاں باقی ہے

کون کہتا ہے کہ الفاظ ہیں محتاجِ قلم!
کٹ گئے ہاتھ مگر میری زباں باقی ہے

کتنے خورشید تراشے گئے ' پھر بھی محسنؔ
تیرگی ہے جو کراں تا بہ کراں باقی ہے

☆

یوں جشنِ وفا منا رہا ہُوں
ہر دودرد پہ مُسکرا رہا ہُوں

اے شہر نہ کر قبول مجھ کو
صحرا سے اُجڑ کر آرہا ہُوں

اے شام نہ ہو اُداس اتنی
میں گھر کے دیئے بجھا رہا ہُوں

پتھر کو لگا رہا ہُوں جونکیں
دنیا کو وفا سکھا رہا ہُوں

یوں اپنے سے کر رہا ہوں باتیں
جیسے مَیں اُنہیں سُنا رہا ہُوں

ہر شخص کو مجھ سے ہے محبت
ہر شخص کو آزما رہا ہُوں

بیٹھا ہے وہ سامنے کہ محسنؔ
سورج سے نظر ملا رہا ہُوں؟

☆

یہ دِل یہ پاگل دِل مِرا کیوں بجھ گیا آوارگی!
اِس دشت میں اِک شہر تھا ' وہ کیا ہُوا آوارگی!

کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تُو کون ہے ' اُس نے کہا "آوارگی"

لوگو بھلا اُس شہر میں کیسے جئیں گے ہم ' جہاں
ہو جرم تنہا سوچنا لیکن سزا ' آوارگی!

یہ درد کی تنہائیاں ' یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اُکتا گئے ' اپنی سُنا ' آوارگی!

اِک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا مِرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر مَیں نے لکھا " آوارگی "

اُس سمت وحشی خواہشوں کی زد میں پیمانِ وفا
اِس سمت لہروں کی دھمک ' کچا گھڑا ' آوارگی

کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا مَیں نے خواب میں
محسنؔ مجھے راس آئے گی شاید سدا " آوارگی "

☆

وہ کون لوگ تھے ' اُن کا پتہ تو کرنا تھا
مِرے لہو میں نہا کر جنہیں نکھرنا تھا

یہ کیا کہ لوٹ بھی آئے سراب دیکھ کے لوگ
وہ تشنگی تھی کہ پاتال تک اُترنا تھا

گلی کا شور ڈرائے گا دیر تک مجھ کو!
میں سوچتا ہُوں دریچوں کو وَا نہ کرنا تھا

یہ تم نے اُنگلیاں کیسے فگار کر لی ہیں؟
مجھے تو خیر لکیروں میں رنگ بھرنا تھا

وہ ہونٹ تھے کہ شفق میں نہائی کرنیں تھیں؟
وہ آنکھ تھی کہ خنک پانیوں کا جھرنا تھا؟

گلُوں کی بات کبھی راز رہ نہ سکتی تھی
کہ نکہتوں کو تو ہر راہ سے گزرنا تھا

خزاں کی دھوپ سے شکوہ فضول ہے محسنؔ
میں یُوں بھی پھول تھا آخر مجھے بکھرنا تھا

☆

اتنی مدت بعد ملے ہو!
کن سوچوں میں گُم پھرتے ہو؟

اتنے خائف کیوں رہتے ہو؟
ہر آہٹ سے ڈر جاتے ہو

تیز ہَوا نے مجھ سے پوچھا
ریت پہ کیا لکھتے رہتے ہو؟

کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے
رات گئے تک کیوں جاگے ہو؟

میں دریا سے بھی ڈرتا ہُوں
تم دریا سے بھی گہرے ہو!

کون سی بات ہے تم میں ایسی
اتنے اچھے کیوں لگتے ہو؟

پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا تھا
پتّھر بن کر کیا تکتے ہو

جاؤ جیت کا جشن مناؤ!
میں جھوٹا ہُوں ، تم سچے ہو

اپنے شہر کے سب لوگوں سے
میری خاطر کیوں اُلجھے ہو؟

کہنے کو رہتے ہو دِل میں!
پھر بھی کتنے دُور کھڑے ہو

رات ہمیں کچھ یاد نہیں تھا
رات بہت ہی یاد آئے ہو

ہم سے نہ پوچھو ہجر کے قصّے
اپنی کہو اب تم کیسے ہو؟

مُحسنؔ تم بدنام بہت ہو
جیسے ہو ' پھر بھی اچھے ہو

☆

تجھ سے ربط اتنا ' غمِ شام و سحر ' اپنا ہے
عکس تیرا ہے مگر دیدۂ تر ' اپنا ہے

جی میں آیا تو کبھی چھوڑ ہی ڈالیں گے اِسے
غیر کے ہاتھ کا پتّھر نہیں ' سر اپنا ہے

وحشتِ جاں کبھی فرصت ہو تو اِس سمت بھی آ
شہر سے دُور سہی ' دشت بھی گھر اپنا ہے

ڈوبتے ڈوبتے سورج نے سیہ شب سے کہا
چاند اُبھرا بھی تو کیا ' لختِ جگر اپنا ہے

بارشِ سنگ کی ہیبت سے مقفل ہیں مکاں
ہاں بھرے شہر میں وا ہے جو ' وہ دَر اپنا ہے

بے حجابانہ ملے اُس سے تو یہ بھید کُھلا
خلق کا خوف نہیں ہے اُسے ڈر اپنا ہے

وہ جو منزل ہے سر حدِّ نظر تیری ہے
یہ جو چہرہ ہے پسِ گردِ سفر ' اپنا ہے

سچ بھی کہتے ہیں مگر جھوٹ کی لے میں محسؔن
کچھ دنوں سے یہی اندازِ ہُنر اپنا ہے!

☆

بچھڑ کے تجھ سے یہ سوچوں کہ دِل کہاں جائے؟
سحر اُداس کرے ' شام رائیگاں جائے

زمیں بدر جو ہُوئے ہو تو میرے ہمسفرو!
چلے چلو کہ جہاں تک یہ آسماں جائے

تمام شہر میں پھیلی ہُوئی ہے تنہائی!
یہ دِل جواں سہی لیکن کہاں کہاں جائے

جلوں تو یوں کہ ازل جگمگا اُٹھے مجھ سے
بجھوں تو یوں کی ابد تک مِرا دُھواں جائے

ابھی تو دِل سے نکل کر زباں تک آئی ہے
کسے خبر کہ کہاں تک یہ داستاں جائے؟

قدم قدم پہ ہے زنداں روش روش پہ صلیب!
کوئی تو ہو کہ جو اب بہرِ امتحاں جائے

بچھڑ چلا ہے تو میری دُعا بھی لیتا جا
وہاں وہاں مجھے پائے ' جہاں جہاں جائے!

میں اپنے گھر کی طرف جا رہا ہُوں یوں محسنؔ
کہ جیسے لُٹ کے کسی بن میں کارواں جائے

☆

اہلِ دِل جاں سے بھی گزر آئے
اب تو منزل ترِی نظر آئے!

آج دِل بے سبب دھڑکتا ہے
آج شاید ترِی خبر آئے

فصلِ گُل کوئی معجزہ اب کے!
چاک دامن کا تا جگر آئے

دشت میں آ کے یوں لگا جیسے
کوئی پردیسی اپنے گھر آئے

بے نیازی سے بے وفائی تک
کوئی تہمت تو اُسکے سر آئے

دِل کا عالم تو ایک جیسا ہے
رات جائے کہ اب سحر آئے

دوستو اُس کی چاہتیں معلوم!
جس کا خط اتنا مختصر آئے

ہم نے مُحسنؔ سے مل کے کیا پایا؟
مفت میں جی اُداس کر آئے

☆

جب دھوپ مجھے پیکرِ آزار بناوے
سایا بھی مِری راہ میں دیواار بناوے

لوگوں پہ بھرم کھل بھی چکا اُس کی کشش کا
اب خود کو وہ بے سود پُراسرار بناوے

سر اپنا ہتھیلی پہ لیے سوچ رہا ہوں!
کیوں مجھ کو تماشہ ترا بازار بناوے؟

کیوں پیڑ نہ حائل ہو رہِ موجِ ہَوا میں؟
خود موجِ ہَوا شاخ کو تلوار بناوے

ملبوس کو اِس طور سے تقسیم کریں ہم!
کچھ میرا کفن ' کچھ تِری دستار بناوے

اِک ہم کہ کسی وضع کے قائل ہی نہیں ہیں
اِک تُو کہ ہمیں صاحبِ معیار بناوے

جی ہار کے پھرتا ہے تو قاتل سے یہ کہہ دو
آ پھر دِلِ ناداں تجھے دِلدار بنواے

آہٹ سے مرا سامعہ ' سو حشر تراشے!
تنکے کو مِرا واہمہ ' کہسار بناوے

اے دیدۂ پر خوں کوئی برسات کہ پل میں
قطرے کو گہر ' دشت کو گلزار بناوے

وہ تیرہ مقدر ہے مِری راہ کہ اکثر!
سورج کے مقابل صفِ اشجار بناوے

اِس دَور کے فنکار کی خواہش ہے کہ محسنؔ
پانی میں کبھی دائرہ پرکار بناوے

☆

ہر سُو خیالِ یار کی چادر سی تان کے
تعمیر اپنے سر پہ نیا آسمان کر

آنکھوں پہ اعتماد کرو گے تو دیکھنا
پتّھر چنو گے ریزۂ الماس جان کر

شاید وہ آسماں سے اُدھر بھی نہ مل سکے
اُس کے لیے کچھ اور بھی اُونچی اُڑان کر

اُس نے بھی جو سلوک کیا ' عادتاً کیا
ہم بھی وہاں گئے تھے ' کہا دِل کا مان کر

اپنے سوا کسے ہے خبر دردِ ہجر کی

یہ درد بھی ہماری زباں سے بیان کر

شاید اُداسیاں بھی ترا دِل لبھا سکیں
صحرا پہ میرے شہر کا اِک دن گمان کر

محسؔن وہ شخص خواب نہیں ہے کہ محو ہو!
اُس کو غزل سمجھ ' اُسے وردِ زبان کر

☆

موجِ خوشبو کی طرح بات اُڑانے والے!
تجھ میں پہلے تو نہ تھے رنگ زمانے والے

کتنے ہیرے میری آنکھوں سے چرائے تُو نے
چند پتّھر مِری جھولی میں گرانے والے

خوں بہا اگلی بہاروں کا ترے سر تو نہیں؟
خشک ٹہنی پہ نیا پھول کِھلانے والے

آ تجھے نذر کروں اپنی ہی شہ رگ کا لہو
میرے دُشمن ' میری توقیر بڑھانے والے

آستینوں میں چھپائے ہُوئے خنجر آئے

مجھ سے یاروں کی طرح ہاتھ ملانے والے

ظلمتِ شب سے شکایت اُنہیں کیسے محسنؔ
وہ تو سورج کے تھے آئینہ دکھانے والے

☆

بکھر رہے ہیں خدوخال چار سُو میرے
مجھے تلاش نہ کر لیں کہیں عدُو میرے

میں سنگ زاد ہُوں، سوچوں گا سامنے اُس کے
وہ آئینہ ہے تو چمکے گا رُوبرُو میرے

لکھا جو مرثیہ میں نے مزاجِ آدم کا!
تمام لفظ ہُوئے ہیں لہُو لہُو میرے

یہ ڈھلتی شام کا جادو ہے یہ فریبِ نظر؟
کہ سائے پھیلتے جاتے ہیں کُو بکُو میرے

نہیں یہ غم کہ مِری حسرتوں کا خون ہُوا
خوشی تو یہ ہے کہ ساتھی ہیں سرخرُو میرے

یہ کیا کہ سارا زمانہ ہے تیرا دُشمنِ جاں؟

کچھ اپنی بات بھی کر اے بہانہ جُو میرے

میں تجھ سے مل کے خود اپنا وجود کھو بیٹھا
تمام رنگ چُرا لے گیا ہے تُو میرے

جنوں کی فصل تو محسؔن گزر گئی لیکن
جگر کے چاک ابھی تک ہیں بے رفو میرے

☆

سورج کو دفنانے آئے
ڈھلتی شام کے لمبے سائے

دُکھ نے سکھ کا سانس لیا ہے
کاش کوئی پھر یاد نہ آئے

ایک ہے رستہ ہم دونوں کا
دیکھیں کون کہاں تک جائے؟

آج گھٹا سے خوشبو برسی!
جیسے تو زُلفیں لہرائے

کاش کوئی سمجھائے اُس کو

لیکن کون اُسے سمجھائے

روز کوئی ملنے آتا ہے
کیا کہتے ہوں گے ہمسائے؟

تجھ سے یوں بچھڑا ہُوں کیسے
پتّھر سے شیشہ ٹکرائے

آج کا انساں ' سب سے ارزاں
کون اسے معبود بنائے؟

بنجر دھرتی پوچھ رہی ہے
چاند پہ کس نے شہر بسائے؟

وہ "خوشبو" کی موج ہے محسنؔ
کون اُس کی تصویر بنائے؟

☆

اگر یہ خلق بھی مقتل میں لمحہ بھر ٹھہرے
تو نام کیوں مِرے قاتل کا چارہ گر ٹھہرے؟

کسی طرح تو مٹے نارسائیوں کی خلش
کہیں تو قافلۂ شامِ بے سحر ٹھہرے!

بُرا نہ مان جو غم نے بجھا دیا مجھ کو
کہ آندھیوں میں کہاں شمعِ رہگزر ٹھہرے؟

صبا کو ہم سے عداوت ہمیں سے رُت کو گریز
بھرے چمن میں ہمیں شاخِ بے ثمر ٹھہرے

تِرے فراق کے لمحوں میں دِل نے سوچا ہے
تِرے وصالِ کے دن کتنے مختصر ٹھہرے!

ہمارے بعد سجایا ہے کس نے مقتل کو
عزیزو کچھ تو کہو ' ہم تو بے خبر ٹھہرے

میں شہر جاں کا مقدر سنوار لوں محسنؔ
وہ ماہتاب جو پل بھر کو بام پر ٹھہرے

☆

بہار کیا ' اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
میں برگِ صحرا ہُوں، یُوں بھی مجھ کو ہَوا اُڑائے تو کچھ نہ پائے

میں پستیوں میں بھی خوش بڑا ہُوں' زمیں کے ملبوس میں جڑا ہُوں
مثالِ نقش قدم پڑا ہُوں ' کوئی مٹائے .... تو کچھ نہ پائے

تمام رسمیں ہی توڑ دی ہیں' کہ میں نے آنکھیں ہی پھوڑ دی ہیں
زمانہ اب مجھ کو ' آئینہ بھی مِرا ' دکھائے تو کچھ نہ پائے

عجیب خواہش ہے میرے دِل میں' کبھی تُو میری صدا کو سن کر
نظر جھکائے تو خوف کھائے' نظر اُٹھائے تو کچھ نہ پائے

میں اپنی بے مائیگی چھپا کر' کواڑ اپنے کھلے رکھوں گا
کہ میرے گھر میں اُداس موسم کی شام آئے تو کچھ نہ پائے

تُو آشنا ہے نہ اجنبی ہے' تِرا مِرا پیار سرسری ہے
مگر یہ کیا رسمِ دوستی ہے' تُو روٹھ جائے تو کچھ نہ پائے؟

اُسے گنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق دِل میں تو یوں ہے محسؔن
کہ جیسے پانی پہ دائرہ سا .... کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

☆

جلا کے تُو بھی اگر آسرا نہ دے مجھ کو
یہ خوف ہے کہ ہَوا پھر بجھا نہ دے مجھ کو

میں اِس خیال سے مُڑ مُڑ کے دیکھتا ہُوں اُسے
بچھڑ کے بھی وہ کہیں پھر صدا نہ دے مجھ کو

فضائے دشت ' اگر اب میں گھر کو یاد کروں
وہ خاک اُڑے کہ ہَوا راستا نہ دے مجھ کو

اِسی خیال سے شب بھر مَیں سو نہیں سکتا
کہ خوفِ خوابِ گزشتہ جگانہ دے مجھ کو

تِرے بغیر بھی تیری طرح میں زندہ رہوں؟
یہ حوصلہ بھی ' دُعا کر خدا نہ دے مجھ کو

اُبھر رہی ہے مِرے دِل میں پستیوں کے کشِش
وہ چاند پھر سے زمیں پر گرا نہ دے مجھ کو

میں اس لیے بھی اُسے خود مناؤں گا محسنؔ
کہ مجھ سے روٹھنے والا ' بُھلا نہ دے مجھ کو

☆

سکوں کے دن سے فراغت کی رات سے بھی گئے
تجھے گنوا کے بھری کائنات سے بھی گئے!

جُدا ہُوئے تھے مگر دِل کبھی نہ ٹوٹا تھا!
خفا ہُوئے تو ترے التفات سے بھی گئے

چلے تو نیلؔ کی گہرائیاں تھیں آنکھوں میں
پلٹ کے آئے تو موجِ فرات سے بھی گئے

خیال تھا کی تجھے پا کے خود کو ڈھونڈیں گے
تُو مل گیا ہے تو خود اپنی ذات سے بھی گئے

بچھڑ کے خط بھی نہ لکھے اُداس یاروں نے
کبھی کبھی کی ادھوری سی بات سے بھی گئے

وہ شاخ شاخ لچکتے ہُوئے بدن محسنؔ!
مجھے تو مل نہ سکے' تیرے ہات سے بھی گئے؟

☆

خواب بکھرے ہیں سہانے کیا کیا؟
لُٹ گئے اپنے خزانے کیا کیا!

صرف اِک ترکِ تولق کے لیے!
تُو نے ڈھونڈنے ہیں بہانے کیا کیا

مُڑ کے دیکھا ہی تھا ماضی کی طرف
آ ملے یار پُرانے کیا کیا!

آج دیکھی ہے جو تصویر تِری
یاد آیا ہے نجانے کیا کیا!

شکر یہ اے غمِ احباب کی رات
ہم پہ گزرے ہیں زمانے کیا کیا

کس سے کہیے کی تِری چاہت میں
ہم نے سوچے تھے فسانے کیا کیا

رات صحرا کی ردا پر محسؔن
حرف لکھے تھے ہَوا نے کیا کیا

☆

وہی تھا رنگ اُداسی کا ' رہگذر جیسا
رہا ہے گھر میں بھی عالم وہی سفر جیسا

دُعائیں دے مِرے اشکوں کو شامِ ہجر کے چاند
دمک گیا ترا چہرہ مِری سحر جیسا!

رُلا گیا مجھے تنہائیوں کی منزل پر
خلوص موجِ ہَوا کا وہ ہم سفر جیسا

کسے بتاؤں کہ اُس سے بچھڑ کے کیا گزری؟
کہاں گیا وہ مِرے غم سے بے خبر جیسا

تُو اجنبی ہے تو شاید تجھے نہ راس آئے
اُجاڑ دشت کا انداز میرے گھر جیسا

بدل گیا نہ ہو پردیس جا کے وہ محسنؔ
کہ اُس کا خط بھی ملا اب کے مختصر جیسا

☆

جب سے اُس نے شہر کو چھوڑا ' ہر رستہ سنسان ہُوا
اپنا کیا ہے ' سارے شہر کا اِک جیسا نقصان ہُوا

یہ دِل ' یہ آسیب کی نگری ' مسکن سوچوں وہموں کا
سوچ رہا ہُوں اِس نگری میں تُو کب سے مہمان ہُوا؟

صحرا کی منہ زور ہوائیں' ''اوروں'' سے منسوب ہُوئیں
مفت میں ہم آوارہ ٹھہرے' مفت میں گھر ویران ہُوا

میرے حال پہ حیرت کیسی ' درد کے تنہا موسم میں
پتّھر بھی رو پڑتے ہیں ' انسان تو پھر انسان ہُوا

اتنی دیر میں اُجڑے دِل پر' کتنے محشر بیت گئے
جتنی دیر میں تجھ کو پا کر' کھونے کا اِمکان ہُوا

کل تک جس کے گِرد تھا رقصاں اِک انبوہ ستاروں کا
آج اُسی کو تنہا پا کر ' میں تو بہت حیران ہُوا

اُس کے زخم چھپا کر رکھیے' خود اُس شخص کی نظروں سے
اُس سے کیسا شکوہ کیجے ' وہ تو ابھی نادان ہُوا

جن اشکوں کی پھیکی لَو کو ہم بے کار سمجھتے تھے!
اُن اشکوں سے کتنا روشن ' اِک تاریک مکان ہُوا

یوں بھی کم آمیز تھا محسنؔ، وہ اس شہر کے لوگوں میں
لیکن میرے سامنے آکر، اور بھی کچھ ''انجان'' ہُوا

☆

جتنے بھی سخنورو ہیں سبھی مہر بہ لب ہیں
اے دوست ترے شہر کے آداب عجب ہیں

بے رشتۂ زنجیر ترا دَر ہے تو کیا ہے؟
ہم منظرِ عدلِ جہانگیر ہی کب ہیں؟

اے محتسبِ شہر نہیں تجھ سے شکایت
ہم خود ہی دِل و جاں کی تباہی کا سبب ہیں

یہ اہلِ وفا کون ہیں اے کوچۂ قاتل!
جاں نذرِ وفا کر کے بھی بیداد طلب ہیں

اے واردِ نو ہم پہ نہ کر اتنا بھروسہ
ہم لوگ بھی دریوزہ گرِ نام و نسب ہیں

اب دیکھیے کس کس پہ ترے غم کا کرم ہو؟
ورنہ تری چاہت کے گنہگار تو سب ہیں

سورج کی طرح ہم پہ مسلط ہیں کئی لوگ

یہ بات الگ ہے کہ وہ پروردۂ شب ہیں

محسنؔ ہمیں معلوم ہے ہر غم کی حقیقت!
ہم حلقۂ ماتم میں بھی مصروفِ طرب ہیں

☆

اب کیا ہُوئیں وہ صحبتیں اے دِل، وہ بزم آرائیاں؟
بکھری پڑی ہیں شہر میں ہر سُو کٹھن تنہائیاں

اب دودھ کی تاثیر بھی مٹی میں گل کر رہ گئی
اب بھائیوں سے دُشمنی کرنے لگیں ماں جائیاں

کس کس سے رکھیے دوستی، کس کس کو دُشمن جانیے!
چہروں میں گھر کر رہ گئیں، نادانیاں، دانائیاں

رستہ بتاتے ہیں مگر، آنکھوں پہ پٹّی باندھ کر!
کچھ ہمسفر کرتے ہیں یوں بھی حوصلہ افزائیاں

سورج کسی کے ہجر کا ڈھلنے میں آتا ہی نہ تھا
یادوں کی گہری رات نے زلفیں بہت بکھرائیاں

محمل سجا کر چل پڑی پگلی پرائے دیس کو!

ہنستے رہے آنسو مِرے ، روتی رہیں شہنائیاں

رشتوں کے بندھن توڑ کر ہم تم یونہی ملتے رہیں
روکا کریں گھر والیاں ، پوچھا کریں ہمسائیاں

کتنی رُتیں بیتیں مگر محسنؔ ابھی تک یاد ہیں
اِک چاندنی اوڑھے ہُوئے آنگن میں دو پرچھائیاں

☆

اجنبی شہر لگے صورتِ زنداں مجھ کو
لے چل اے موجِ ہَوا سُوئے بیاباں مجھ کو

رات آئے تو تِرے درد کی رُت بھی آئے
چاند نکلے تو کرے دِل بھی پریشاں مجھ کو

میں بھی بجھنے کو ہُوں اے قتل گہِ شہر مگر
یاد رکھے گی تِری شامِ غریباں مجھ کو

لوٹ آیا ہُوں نصیبِ غمِ یاراں بن کر
راس آئی نہ ہَوائے غمِ دوراں مجھ کو

تُو کہ دریا پہ برستا ہے نہ صحراؤں میں

اپنی منزل تو بتا ...... ابرِ گریزاں مجھ کو!

یوں بھی رُسوا تھی بہت خلوتِ دِل کی خواہش
تیری چاہت نے کیا اوور نمایاں مجھ کو!

اپنا گھر کتنا ہی ویراں ہو ، پھر اپنا گھر ہے
بسترِ خاک لگے تختِ سلیماں مجھ کو

جانتا ہُوں میں خدوخال کی قیمت محسؔن
آئینہ کر نہ سکے گا کبھی حیراں مجھ کو

☆

وہ صبا زادہ سہی ، صر صر بھی ہے!
سنگدل بھی ، آئینہ پیکر بھی ہے

کر رہا ہُوں طے اندھیروں کا سفر
بوجھ صدیوں کا مِرے سر پر بھی ہے

آئینے کو کیا خبر اس بھید کی!
ایک چہرہ جسم کے اندر بھی ہے

صبح کی پہلی کِرن کو کیا خبر؟

تیرے زانو پر کسی کا سر بھی ہے

پربتوں کے پار جانا ہے مجھے
ہر قدم پر اِک نئی ٹھوکر بھی ہے

منصفی آئی ہے جس کے ہاتھ میں
آستیں اُس کے لہو میں تر بھی ہے

چاند بھی اُترا ہُوا ہے جھیل میں
اِک نیا منظر پسِ منظر بھی ہے

احتیاط اے سادہ دِل محسنؔ مِرے
دوستوں کے ہاتھ میں خنجر بھی ہے

☆

اُس کو اپنے گھر کے سناٹے سے کتنا پیار تھا
وہ بظاہر کچھ نہ لگتا تھا مگر ''فنکار'' تھا

تجھ سے بچھڑا ہُوں تو دیکھے ہیں کئی چہرے مگر
خواہشوں کی بھیڑ میں بھی تو مِرا معیار تھا

اُس کی خواہش تھی تو پی لینا تھا جامِ زہر بھی

دیکھنا بے سود تھا پھر سوچنا بے کار تھا

میرا سر نوکِ سناں پر بھی رہے سب سے بلند
میں بنی آدم کی عظمت کا علمبردار تھا

میں سفر آغاز کیا کرتا اَنا کے دشت میں
میرا سایہ راہ کی سب سے بڑی دیوار تھا

شہر بھر میں ایک ہی دُشمن نظر آیا مجھے
وہ ستمگر بھی مِرا صدیوں پُرانا یار تھا

ہم نے محسنؔ کی غزل پڑھ کر ہی جی بہلا لیا
اُس سے کیا ملتے وہ اپنے آپ سے بیزار تھا

☆

رہرو فرات کا نہ مسافر ہوں نیل کا
میں پھول ہُوں خود اپنی لہو رنگ جھیل کا

اے شامِ بے سحر تُو مِرا احترام کر
میں آخری چراغ ہُوں تیری فصیل کا

تُو نے کہا نہ تھا کہ " مِرا آئینہ ہے تُو "

میں منتظر رہا ترے عکسِ جمیل کا

شاید خدا کے گھر کی طرح دِل بھی بچ سکے
وردِ زباں ہے واقعہ " اصحابِ فیل " کا

محسؔن بروزِ حشر نہیں خوفِ تشنگی
ساقی ہے بُو تراب اگر سلسبیل کا

☆

جذبے کو زباں دے رہا ہُوں
پتّھر کو بھی جان دے رہا ہُوں

اِک یاد کو دفن کر کے دِل میں
دُشمن کو امان دے رہا ہُوں

منصف کی مزاج جانتا ہُوں
بے سُود بیان دے رہا ہُوں

بہروپ بدل کے آندھیوں کا
ذرّوں کو اُڑان دے رہا ہُوں

چہرے پہ سجا کے خون اپنا

قاتل کا نشان دے رہا ہُوں

فصلوں کو تو بارشوں نے لُوٹا
مٹی کا لگان دے رہا ہُوں

تنہائی میں کر رہا ہُوں باتیں
دیوار کو کان دے رہا ہُوں

اِس شہر میں شعر کہہ کے محسنؔ
صحرا میں اذان دے رہا ہُوں

☆

سنگدل کتنے ترے شہر کے منظر نکلے
جن کی مہماں تھی شبِ غم ' وہی بے گھر نکلے

ایسی آنکھوں سے تو بہتر تھا کہ اندھے ہوتے
ہم جسے آئینہ سمجھیں وہی پتّھر نکلے!

دن بُرے ہوں تو گُہر پر بھی ہو کنکر کا گماں
بن پڑے بات تو صحرا بھی سمندر نکلے

آبگینوں کو جو توڑا تو وہ ٹھہرے مٹی!

سنگریزوں کو جو پرکھا تو وہ ''مَر مَر'' نکلے

جن کو نفرت سے ہَوا راہ میں چھوڑ آئی تھی
آسماں پر وہی ذرّے مہ و اختر نکلے

شہر والوں نے جنہیں دار کا مجرم سمجھا
وہ گنہگار محبت کے پیمبر نکلے

خوف سے موت کی ہچکی بھی اٹک جاتی ہے
اس خموشی میں کہاں کوئی سخنور نکلے؟

میری ہر سانس تھی میزانِ عدالت محسنؔ
جتنے محشر تھے مِرے جسم کے اندر نکلے!

☆

وہی قصّے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی

ہر ستمگر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی

روز ملتے ہیں دریچے میں نئے پھول مجھے

چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی

تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت!
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی!

قحطِ پندار کا موسم ہے سنہرے لوگو!
کچھ تیز کرو اب کے گرانی اپنی

دُشمنوں سے ہی غمِ دِل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی

آج پھر چاند اُفق پر نہیں اُبھرا محسؔن
آج پھر رات نہ گزرے گی سُہانی اپنی

☆

اب تو ہر اِک آن بدلتی رُت سے جی ڈرتا ہے
بے فکری کی نیند کا موسم شاید بیت گیا ہے

پیلے پتوں والے پودے کب کے اُکھڑ چکے ہیں
پت جھڑ کی اس رُت میں لیکن دِل کا پیڑ ہرا ہے

جب وہ مجھ سے چھپ کر رویا، تب یہ بات کھلی ہے

کہنے کو ہم ایک ہیں لیکن ' دکھ اپنا اپنا ہے

کون بچائے کالی ناگن رات کی زد سے اس کو؟
ڈھلتا سورج بوڑھے دن کا اِکلوتا بیٹا ہے

تُو وہ بستی بھول چکا ہے ' جس کا اِک اِک باسی
پتّھر بن کر اب تک تیرا رستہ دیکھ رہا ہے

شہر اُجرا ' گھر ویراں ٹھہرے ' رستے چپ ہیں لیکن
سُوکھے پیڑ پہ اب تک تیرا میرا "نام" لکھا ہے

وہ "انمول گُہر" ہے اَب بھی ' اُس کی بات نہ چھیڑو
ہم ہی پیار میں جھوٹے نکلے ' محسؔن وہ سچا ہے

☆

رات باقی رہے کہ ڈھل جائے؟
زندگی تُو نہ رُخ بدل جائے

سوچ کی دھوپ میں بدن اُس کا
برف جیسے پگھل پگھل جائے

کس قدر گرم ہے وجود کا لمس؟

برق چھولے تو وہ بھی جل جائے

اِس قدر محوِ رنجِ ہستی ہُوں
موت آئے تو وہ بھی ٹل جائے

پہلی پہلی محبتوں کا خمار
باتوں باتوں میں رات ڈھل جائے

اب کے دِل میں وہ درد اُترا ہے
غیر ممکن ہے آج کل جائے

زندگی خوش ہے تیرے وعدوں پر
جیسے بچے کا دِل بہل جائے

ہجر کی رات ڈھل گئی مُحسنؔ
اب تو دل سے کہو سنبھل جائے

☆

اس شہر میں ایسی بھی قیامت نہ ہُوئی تھی
تنہا تھے مگر خود سے تو وحشت نہ ہُوئی تھی

یہ دن ہیں کی یاروں کا بھروسا بھی نہیں ہے

وہ دن تھے کہ دُشمن سے بھی نفرت نہ ہُوئی تھی

اب سانس کا احساس بھی اِک بارِ گراں ہے
خود اپنے خلاف ایسی بغاوت نہ ہُوئی تھی

اُجڑے ہُوئے اس دِل کے ہر اِک زخم سے پوچھو!
اِس شہر میں کس کس سے محبت نہ ہُوئی تھی؟

اب تیرے قریب آ کے بھی کچھ سوچ رہا ہُوں
پہلے تجھے کھو کر بھی ندامت نہ ہُوئی تھی
ہر شام اُبھرتا تھا اِسی طور سے مہتاب
لیکن دِل وحشی کی یہ حالت نہ ہُوئی تھی

خوابوں کی ہَوا راس تھی جب تک مجھے محسنؔ
یوں جاگتے رہنا مِری عادت نہ ہُوئی تھی

☆

وہ لوگ جن کو ستاروں کی جستجو ہے بہت
اُنہی کی آبلہ پائی پہ گفتگو ہے بہت

تُو آسماں پہ شفق در شفق گُلاب کِھلا
مِری زمیں کو مِرے جسم کا لہو ہے بہت

یہی خیال مِری زندگی کا حاصل ہے!
مجھے گنوا کے مِرا یار سرخرو ہے بہت

قدم قدم پہ کئی زاویے بدلتا ہے
تِری طرح تِرا غم بھی بہانہ جُو ہے بہت

میں جنگلوں کے گلابوں سے پیار کرتا ہُوں
وہ یوں کہ دِل میں اُجڑنے کی آرزو ہے بہت

میں کب سے آنکھ میں آنسو سجائے پھرتا ہُوں
سُنا تھا اُس کو نگینوں کی جستجو ہے بہت

مِری گلی میں اُتر اے شبِ غریب کے چاند!
میں شہر بھر میں اکیلا ہُوں مجھ کو تُو ہے بہت

یہ کہہ کے شہر سے محسنؔ گزر گیا بادل
میں کیا کروں کہ تِری خاک بے نمو ہے بہت

☆

تجھ پر بھی فسوں دہر کا چل جائیگا آخر
دنیا کی طرح تُو بھی بدل جائے گا آخر

پھیلی ہے ہر اِک سمت حوادث کی کڑی دھوپ
پتّھر ہی سہی ، وہ بھی ، پگھل جائے گا آخر

اے میرے بدن روح کی دولت پہ نہ اِترا
یہ تیر بھی ترکش سے نکل جائے گا آخر

وہ صبح کا تارہ ہے تو پھر ماند بھی ہوگا
چڑھتا ہُوا سورج ہے تو ڈھل جائے گا آخر

دِل تجھ سے بچھڑ کر بھی کہاں جائے گا اے دوست!
یادوں کے کھلونوں سے بہل کائے گا آخر

آوارہ و بدنام ہے مُحسنؔ تو ہمیں کیا؟
خود ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھل جائے گا آخر

☆

ٹھہر جاؤ کہ حیرانی تو جائے
تمہاری شکل پہچانی تو جائے

شبِ غم تُو ہی مہماں بن کے آجا
ہمارے گھر کی ویرانی تو جائے

ذرا کُھل کر بھی رو لینے دو ہم کو
کہ دِل کی آگ تک پانی تو جائے

بلا سے توڑ ڈالو آئینوں کو!
کسی صورت یہ حیرانی تو جائے

ترے محتاج جینا سیکھ لیں گے
سروں سے بُوئے سلطانی تو جائے

شکستِ عہد و پیماں پر یقیں ہے
مگر دِل کی پریشانی تو جائے

نمٹ لیں گے غمِ دنیا سے محسنؔ
غمِ دِل کی فراوانی تو جائے

☆

میں کل تنہا تھا ' خلقت سو رہی تھی
مجھے خود سے بھی وحشت ہو رہی تھی

اُسے جکڑا ہُوا تھا زندگی نے!
سرہانے موت بیٹھی رو رہی تھی

کُھلا مجھ پر کہ میری خوش نصیبی!
مِرے رستے میں کانٹے بو رہی تھی

مجھے بھی نارسائی کا ثمر دے!
مجھے تیری تمنا جو رہی تھی

مِرا قاتل مِرے اندر چھپا تھا
مگر بدنام خلقت ہو رہی تھی

بغاوت کر کے خود اپنے لہو سے
غلامی داغ اپنے دھو رہی تھی

لبوں پر تھا سکوتِ مرگ لیکن
مِرے دِل میں قیامت سو رہی تھی

بجز موجِ فنا ' دنیا میں محسنؔ
ہماری جستجو کِس کو رہی تھی؟

☆

یہ کیا کہ دن کو بھی رات لکھو!
ہنر وروٗ دِل کی بات لکھو!

میں پیاس سے جاں بہ لب ہُوں دیکھو
وہ بہہ رہا ہے فرات ' لکھو!

جلیں تو جل جائیں ہونٹ ' بولو!
کٹیں تو کٹ جائیں ہات ' لکھو!

خدا کی قدرت سمجھنے والو ....!
بشر کے بھی معجزات لکھو!

مزا تو جب ہے کہ زہر پی کر
حدیثِ آبِ حیات لکھو!

یہ جشن جو میری موت پر ہے
اسے بھی میری برات لکھو!

بہے جو آنسو بنامِ آدم!
اُسے مِری کائنات لکھو

حقیقتِ روح کچھ ہو محسؔن
بدن کو زندانِ ذات لکھو!

☆

چاندنی جب خوف کے منظر کو عریاں کر گئی!
زندگی اپنے ہی سائے سے اچانک ڈر گئی

رات میری آنکھ میں کرنوں کا اِک سیلاب تھا
تیرا چہرہ دیکھنے سے بھی طبیعت بھر گئی

چاند کے محمل سے اُتری جب وہ شرمیلی کِرن
دُور سے دیکھا تو مَیں سمجھا کہ میرے گھر گئی

ایک پر چھائیں مِری باہوں کا آنگن چھوڑ کر
خود بھی آوارہ ہُوئی مجھ کو بھی تنہا کر گئی

میں نہ کہتا تھا نہ نکلو آئینہ خانے سے تم
اب بتاؤ تہمتِ سنگ آج کس کے سر گئی

کیوں نظر آئے مجھے محسنؔ وہاں تہمت کے داغ؟
کیوں مِری میلی نظر اُس کے لبادے پر گئی؟

☆

باغی مَیں آدمی سے نہ منکر خدا کا تھا
درپیش مسئلہ مِری اپنی اَنا کا تھا

گُم صُم کھڑا تھا ایک شجر دشتِ خوف میں
شاید وہ منتظر کسی اندھی ہَوا کا تھا

اپنے دُھویں کو چھوڑ گیا آسمان پر
بجھتے ہُوئے دیے میں غرور انتہا کا تھا

دیکھا تو وہ حسین لگا سارے شہر میں
سوچا تو وہ ذہین بھی ظالم بلا کا تھا

لہرا رہا تھا کل جو سرِ شاخِ بے لباس
دامن کا تار تھا کہ وہ پرچم صبا کا تھا؟

ورنہ مکانِ تیرہ کہاں ' چاندنی کہاں
اُس دستِ بے چراغ میں شعلہ حنا کا تھا

میں خوش ہُوا کہ لوگ اکٹھے ہیں شہر کے
باہر گلی میں شور تھا لیکن ہُوا کا تھا

اُس کو غلافِ روح میں رکھا سنبھال کر
محسنؔ وہ زخم بھی تو کسی آشنا کا تھا

☆

بہروپ نیا بدل رہے ہیں
ہم وقت کے ساتھ چل رہے ہیں

بے وجہ چھلک رہی ہیں آنکھیں
بے وقت چراغ جل رہے ہیں

اِس فصل میں گُل کہاں کھلیں گے؟
شاخوں پہ تو سانپ پل رہے ہیں

اے دُشمنو تم گواہ رہنا!
ہر دَور میں ہم اٹل رہے ہیں

منہ زور ہُوا ہے حبس اتنا
دریاؤں کے دِل پگھل رہے ہیں

اب ماہ و نجوم کو بھی انساں
کلیوں کی طرح مَسل رہے ہیں

اِس دَور کے زخم کھا کے محسنؔ
پتّھر بھی لہو اُگل رہے ہیں

☆

مَیں کیوں نہ ترکِ تعلق کی ابتدا کرتا
وہ دُور دیس کا باسی تھا ' کیا وفا کرتا؟

وہ میرے ضبط کا اندازہ کرنے آیا تھا
مَیں ہنس کے زخم نہ کھاتا تو اور کیا کرتا؟

ہزار آئینہ خانوں میں بھی مَیں پا نہ سکا
وہ آئینہ جو مجھے خود سے آشنا کرتا

درِ قفس پہ قیامت کا حبس تھا ورنہ
صبا سے ذکر ترا مَیں بھی سُن لیا کرتا

مِری زمیں تُو اگر مجھ کو راس آجاتی!
مَیں رفعتوں میں تجھے آسمان سا کرتا

غمِ جہاں کی محبت لُبھا رہی تھی مجھے
مَیں کس طرح تری چاہت پہ آسرا کرتا؟

اگر زبان نہ کٹتی تو شہر میں محسنؔ
مَیں پتھروں کو بھی اِک روز ہمنوا کرتا!

☆

کچھ اپنی آنکھ بھی ہے خمارِ اَنا سے مست
کچھ ان دنوں ہے شہر کا موسم بھی ہَے پرست

صحرا میں گُل کِھلے ہیں قفس تک صبا گئی
شاید جنوں کے ہاتھ ہے گلشن کا بندوبست

اب زندگی کو منہ نہ دکھائیں گے ہم کبھی
سمجھو شکستِ سازِ نفس ' آخری شکست

اب وحشتوں کو صبر کی تلقین کیا کریں؟
دامانِ دِل دراز ہے ' صحرا ہے تنگ دست

محسنؔ کہاں ہے سود و زیاں کی خبر ہمیں؟
ہم سے نہ پوچھ مطلبِ فرقِ بلند و پست

☆

نہ پوچھ غم نے دکھائی ہیں پستیاں کیسی؟
اُجڑ گئی ہیں دِل و جاں کی بستیاں کیسی؟

کسی پہ رازِ درِ میکدہ کھلا کہ نہیں؟

سناؤ اب کے رہیں فاقہ مستیاں کیسی

غموں نے لُوٹ لیے ہیں عقیدتوں کے چمن
خدا بھی یاد نہیں ، بُت پرستیاں کیسی؟

فلک نے خاک کو پُرسہ دیا ہے جن کے لیے
ہُوئی ہیں زیرِ زمیں دفن ہستیاں کیسی!

تجھے گنوا کے فراغت کسے سنورنے کی؟
شراب ہی نہ ملے جب تو مستیاں کیسی

علیؑ ولی کا کرم ہے تو خوش رہو محسنؔ
کہاں کے رنج و اَلم ، تنگ دستیاں کیسی؟

☆

آنکھیں کھلی رہیں گی تو منظر بھی آئیں گے
ززندہ ہے دِل تو اور ستمگر بھی آئیں گے

پہچان لو تمام ففقیروں کے خدّ و خال!
کچھ لوگ شب کو بھیس بدل کر بھی آئیں گے

گہری خموش جھیل کے پانی کو یوں نہ چھیڑ!

چھینٹے اُڑے تو تیری قبا پر بھی آئیں گے

خود کو چھپا نہ شیشہ گروں کی دکان میں
شیشے چمک رہے ہیں تو پتّھر بھی آئیں گے!

اُس نے کہا "گناہ کی بستی سے مت نکل
اِک دن یہاں حسین پیمبر بھی آئیں گے

اے شہر یار دشت سے فرصت نہیں .... مگر
نکلے سفر پہ ہم تو ترِے گھر بھی آئیں گے

محسؔن ابھی صبا کی سخاوت پہ خوش نہ ہو
جھونکے یہی بصورتِ صر صر بھی آئیں گے

☆

گھور اندھیروں کی بستی میں جنسِ ہُنر کو عام کریں
پھر سے ہم یہ آنسو بیچیں ' روشنیاں نیلام کریں

اِک دُنیا ہے دُشمن اپنی ایک زمانہ قاتل ہے
کس کس کے سے تہمت باندھیں' کس کس کو بدنام کریں؟

وہ شہرت سے ڈرنے والا ' تنہا تنہا پھرتا ہے

دِل کہتا ہے ساری غزلیں' اُس کافر کے نام کریں

دُھوپ سے اُجلا روپ ہے' اُس کا' سونے جیسی صورت ہے
ہم اُجڑی تقدیروں والے' کیسے اُس کو رام کریں؟

اِک اُڑتے بادل کا سایا کب تک ساتھ نباہے گا؟
پھر بھی کچھ ستا لیں یارو' کچھ لمحے آرام کریں

دوست کہاں تک ہاتھ بٹائیں کیوں احباب کو زحمت ہو
دِل کے ہر اِک درد کو محسنؔ آؤ غرقِ جام کریں

☆

صحرا کو "فرات" کہہ رہا ہُوں
کتنی بڑی بات کہہ رہا ہُوں

ہر لمحہ گزرتی زندگی کو!
ڈھلتی ہُوئی رات کہہ رہا ہُوں

اے زہرِ غمِ فراق تجھ کو!
لے' آبِ حیات کہہ رہا ہُوں

اِس دَور کی مصلحت یہی ہے

میں دن کو بھی رات کہہ رہا ہُوں

اب کون و مکان کی وسعتوں کو
اِک مجلسِ ذات کہہ رہا ہُوں

اِنسان کے ارتقاء کو محسنؔ
لمحاتِ وفات کہہ رہا ہُوں

☆

امرت تری چاہت کا پیے بنِ نہ رہا جائے
یہ جُرم اگر ہے تو کیے بِن نہ رہا جائے

جب ذکر ہو تسکینِ دِل و جاں کا سرِ بزم
مجھ سے تو تِرا نام لیے بِن نہ رہا جائے

وہ رُت ہے کہ ہر سانس عذابِ رگِ جاں ہے
اِس پر بھی ستم یہ کہ جیے بنِ نہ رہا جائے

جب جب مَیں ہَوا بن کے ترے شہر سے گزروں
دستک ترے در پر بھی دیے بن نہ رہا جائے

سایا مِری تنہائی کا دُشمن ہے سفر میں!

لیکن اِسے ہمراہ لیے بِن نہ رہا جائے!

کیا موسمِ آغازِ جنوں ختم کو پہنچا؟
کیوں دامنِ صد چاک سیے بِن نہ رہا جائے؟

محسّن کوئی آنسو ہی جلاؤ سرِ مژگاں
مجھ سے تو اندھیرے میں دیے بِن نہ رہا جائے

☆

دِل مرجھائے پھولوں جیسا ' چہرے پر ہریالی ہے
محسّن وہ سُندرتا گوری کتنی بھولی بھالی ہے

ہر اِک چہرہ ایک خزانہ ہے انمول نگینوں کا
لیکن غور سے دیکھ رہا ہُوں ہر اِک آنکھ سوالی ہے

میں مدت سے سوچ رہا تھا کس کس بھید کا خون کروں؟
میرے گُم صُم لفظ چرا کر تم نے بات بنا لی ہے؟

ننگے چہرے بھوکی نظریں پیاسے ہونٹ سوال کریں
کون اس شہر کا اَن داتا ہے کون اس شہر کا والی ہے؟

اندھی آگ میں اُجلے آنکھیں جل کر راکھ نہ ہو جائیں

نیل گگن کی اور نہ تکنا بجلی گرنے والی ہے

ہر اِک راہی آنکھ میں ڈھیروں دیپ جلائے پھرتا ہے
یوں لگتا ہے جیسے شہر میں آج کی شب دیوالی ہے

جس کی اِک بات سے پھوٹیں سو سو جھرنے امرت کے
اُس نے کیوں نازک ہونٹوں پر چپ کی مُہر لگالی ہے؟

ہم فرہاد نہ تھے پر محسنؔ اُس کو راہ پہ لائے ہیں
ہم نے اُس کے پتّھر دِل سے پیار کی نہر نکالی ہے

☆

یہ ہم نے دیکھا تھا خواب پیارے' ندی کنارے
زمیں پہ اُترے تھے دو ستارے' ندی کنارے

نجانے گزرے ہیں کتنے ساون اِس آرزو میں
کبھی تو کوئی ہمیں پکارے' ندی کنارے

وہی شجر ہیں وہی ہیں سائے مگر پرائے
ہیں اپنی بستی کے رنگ سارے ندی کنارے

اُتر کے مہتاب بن گیا آئینہ کسی کا!

کسی نے بال اپنے یوں سنوارے ' ندی کنارے

کبھی اِدھر سے گزر کے دیکھو تو یاد آئیں
وہ قول اپنے وچن تمہارے ' ندی کنارے

کٹی ہے اِک عمر ہمنشیں کے بغیر اپنی
کوئی تو اپنی طرح گزارے ' ندی کنارے

دُعائیں دیتی ہیں بانسری کی صدائیں شب کو
کبھی نہ سُوکھیں یہ سبز چارے ' ندی کنارے

تمہیں نہ دیکھا تو رائیگاں رائیگاں لگے ہیں
شراب' شبنم 'شفق ' شرارے ' ندی کنارے

تمہیں نہ پایا تو موج در موج بٹ گئے ہیں
یہ شرط ہم اس طرح سے ہارے ' ندی کنارے

یہ گھر کی تنہائیاں تو محسنؔ سدا رہیں گی!
چلو ' صحر کی ہَوا پکارے ' ندی کنارے

☆

اب یہ خواہش ہے کہ اپنا ہمسفر کوئی ہو
جُز شبِ تنہا ، شریکِ رہگزر کوئی نہ ہو

رات کے پچھلے پہر کی خامشی کے خوف کو
اُس سے پوچھو، شہر بھر میں جس کا گھر کوئی نہ ہو

یا چراغِ کم نفس کو صبح تک جلنا سِکھا!
یا پھر ایسی شام دے جس کی سحر کوئی نہ ہو

جل رہے ہیں بام و دَر اور مطمئن بیٹھا ہُوں مَیں
گھر کی بربادی سے اتنا بے خبر کوئی نہ ہو

جستجو فن کی ، متاعِ فن بچانے کا خیال
پتھروں کے شہر میں بھی شیشہ گر کوئی نہ ہو

درد اتنا ہو کہ بول اُٹھے سکوتِ شہر جاں
زخم ایسا دے کہ جس کا چارہ گر کوئی نہ ہو

صحبتوں کے خواب دیکھوں رات بھر محسنؔ مگر
صبحدم آنکھیں کھلیں تو بام پر کوئی نہ ہو

☆

ریشم زلفوں ، نیلم آنکھوں والے اچھے لگتے ہیں
مَیں شاعر ہُوں مجھ کو اُجلے چہرے اچھے لگتے ہیں

تُم خود سوچو، آدھے رات کو ٹھنڈے چاند کی چھاؤں میں
تنہا راہوں پر ہم دونوں کتنے اچھے لگتے ہیں!

آخر آخر سچے قول بھی چبھتے ہیں دِل والوں کو
پہلے پہلے پیار کے جھوٹے وعدے اچھے لگتے ہیں

جب سے وہ پردیس گیا ہے شہر کی رونق روٹھ گئی
اب تو اپنے گھر کے بند دریچے اچھے لگتے ہیں

کالی رات میں جگمگ کرتے تارے کون بجھاتا ہے؟
اِس دلہن کو یہ موتی یہ گہنے ، اچھے لگتے ہیں

کل اُس رُوٹھے رُوٹھے یار کو دیکھا تو محسوس ہُوا
محسؔن اُجلے جسم پہ میلے کپڑے اچھے لگتے ہیں

☆

اِک دِیا دِل میں جلانا بھی ' بجھا بھی دینا
یاد کرنا بھی اُسے روز ' بھلا بھی دینا

کیا کہوں یہ مِری چاہت ہے کہ نفرت اُس کی؟
نام لکھنا بھی مِرا ' لکھ کے مٹا بھی دینا

پھر نہ ملنے کو بچھڑتا تو ہُوں تجھ سے لیکن؛
مُڑ کے دیکھوں تو پلٹنے کی دُعا بھی دینا

خط بھی لکھنا اُسے ' مایوس بھی رہنا اُس سے
جرم کرنا بھی مگر خود کو سزا بھی دینا

مجھ کو رسموں کا تکلف بھی گوارا لیکن
جی میں آئے تو یہ دیوار .... گِرا بھی دینا

اُس سے منسوب بھی کر لینا پُرانے قصّے؛
اُس کے بالوں میں نیا پھول سجا بھی دینا

صورتِ نقشِ قدم ' دشت میں رہنا محسنؔ
اپنے ہونے سے نہ ہونے کا پتا بھی دینا

☆

شہر کی دھوپ سے پوچھیں کبھی گاؤں والے
کیا ہُوئے لوگ وہ زلفوں کی گھٹاؤں والے!

اب کے بستی نظر آتی نہیں اُجڑی گلیاں
آؤ ڈھونڈیں کہیں درویش ' دُعاؤں والے!

سنگ زاروں میں مِرے ساتھ چلے آئے تھے
کتنے سادہ تھے وہ بِلّور سے پاؤں والے!

ہم نے ذرّوں سے تراشے تِری خاطر سورج
اب زمیں پر بھی اُتر ' زرد خلاؤں والے!

کیا چراغاں تھا محبت کا کہ بجھتا ہی نہ تھا!
کیسے موسم تھے وہ پُرشور ہواؤں والے

تُو کہاں تھا مِرے خالق ' کہ مِرے کام آتا؟
مجھ پہ ہنستے رہے پتّھر کے خداؤں والے!

ہونٹ سی کر بھی کہاں بات بنی ہے محسنؔ
خامشی کے وہی تیور ہیں صداؤں والے

☆

جب تک تِرے ہمسفر رہے ہیں
ہم خود سے بھی بے خبر رہے ہیں

کیا تیرے بغیر زندگی ہے؟
کہنے کو تو دن گزر رہے ہیں

ناداں ہیں چمن کے پاسباں بھی
" خوشبو " کو اسیر کر رہے ہیں

اِس دَور میں کچھ سمجھ نہ آئے
زندہ ہیں کہ لوگ مر رہے ہیں؟

" بادل " کی طرح برسنے والے!
" دریا " کی طرح اُتر رہے ہیں

" موسم " کی طرح بدلنے والے!
پتّوں کی طرح بکھر رہے ہیں

ڈوبے تھے ہم اپنی لغزشوں سے
الزام ہوا کے سَر رہے ہیں

رودادِ حیات اُن سے پوچھو
اِک عمر جو در بدر رہے ہیں

کچھ دشت کا ذکر بھی ہواؤ!
ہم لوگ تو اب کے گھر رہے ہیں

جب تک وہ قریبِ جاں تھا محسنؔ
ہم چاند کے دوش پر رہے ہیں

☆

وہ دِل کا بُرا ' نہ بے وفا تھا
بس ' مجھ سے یونہی بچھڑ گیا تھا

لفظوں کی حدوں سے ماورا تھا
اب کس سے کہوں وہ شخص کیا تھا؟

وہ میرے غزل کا آئینہ تھا
ہر شخص یہ بات جانتا تھا

ہر سمت اُسی کا تذکرہ تھا
ہر دِل میں وہ جیسے بس رہا تھا

میں اُس کی '' اَنا '' کا آسرا تھا
وہ مجھ سے کبھی نہ روٹھتا تھا

میں دھوپ کے بن میں جل رہا تھا
وہ سایۂ ابر بن گیا تھا

میں بانجھ رُتوں کا آشنا تھا
وہ موسمِ گُل کا ذائقہ تھا

اِک بار بچھڑ کے جب ملا تھا
وہ مجھ سے لپٹ کے رو پڑا تھا

کیا کچھ نہ اُسے کہا گیا تھا؟
اُس نے تو لبوں کو سی لیا تھا

وہ چاند کا ہمسفر تھا شاید
راتوں کو تمام جاگتا تھا

ہونٹوں میں گلوں کی نرم خوشبو
باتوں میں تو شہد گھولتا تھا

کہنے کو جدا تھا مجھ سے لیکن
وہ میرے رگوں میں گونجتا تھا

اُس نے جو کہا ' کِیا وہ دِل نے
اِنکار کا کِس میں حوصلہ تھا

یوں دِل میں تھی یاد اُس کی جیسے

مسجد میں چراغ جل رہا تھا

مت پوچھ حجاب کے قرینے
وہ مجھ سے بھی کم ہی کُھل سکا تھا

اُس دن مرا دِل بھی تھا پریشاں
وہ بھی مرے دِل سے کچھ خفا تھا

میں بھی تھا ڈرا ہُوا سا لیکن
رنگ اُس کا بھی کچھ اُڑا اُڑا تھا

اِک خوف سا ہجر کی رُتوں کا
دونوں پہ محیط ہو چلا تھا

اِک راہ سے میں بھی تھا گریزاں
اِک موڑ پہ وہ بھی رُک گیا تھا

اِک پل میں جھپک گئیں جو آنکھیں
منظر ہی نظر میں دوسرا تھا

سوچا تو ٹھہر گئے زمانے
دیکھا تو وہ دُور جا چکا تھا

قدموں سے زمیں سرک گئی تھی

سورج کا بھی رنگ سانولا تھا

چلتے ہُوئے لوگ رُک گئے تھے
ٹھہرا ہُوا شہر گھومتا تھا

سہمے ہُوئے پیڑ کانپتے تھے
پتّوں میں ہَراس رینگتا تھا

رکھتا تھا مَیں جس میں خواب اپنے
وہ کانچ کا گھر چٹخ گیا تھا

ہم دونوں کا دُکھ تھا ایک جیسا
احساس مگر جُدا جُدا تھا

کل شب وہ ملا تھا دوستوں کو
کہتے ہیں اُداس لگ رہا تھا

محسؔن یہ غزل ہی کہہ رہی ہے
شاید ترا دِل دُکھا ہُوا تھا

☆

جو مقتلوں کو چلے تھے دلاوروں کی طرح
بچھڑ گئے کہیں رستے میں رہبروں کی طرح

جنہیں غرورِ زرِ آگہی بہت تھا ' وہ لوگ
تِری تلاش میں نکلے گداگروں کی طرح

مِرے قبیلۂ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیمبروں کی طرح

ترے بغیر فضا میں بکھرتا جاتا ہُوں
بچھڑتی کونج کے ٹوٹے ہُوئے پروں کی طرح

نہ گفتہ لفظ مِرے دِل میں ڈھونڈتے ہیں اماں
فشارِ جنگ میں کٹتے ہُوئے سروں کی طرح

جو تشنگی مِری آنکھوں کی جان لے تو کہوں
یہ دِل کہ گونج رہا ہے سمندروں کی طرح

نہ پوچھ وقت کی غارت گری مِرے محسنؔ
اُجڑ گئے کئی چہرے ' لٹے گھروں کی طرح

☆

یہ خوف دِل میں نگاہ میں اضطراب کیوں ہے؟
طلوعِ محشر سے پیشتر یہ عذاب کیوں ہے

کبھی تو بدلے یہ ماتمی رُت اُداسیوں کی!
مِری نگاہوں میں ایک سا شہرِ خواب کیوں ہے

کبھی کبھی تیری بے نیازی سے خوف کھا کر
میں سوچتا ہُوں کہ تُو مِرا انتخاب کیوں ہے؟

فلک پہ بکھری سیاہیاں اب بھی سوچتی ہیں
زمیں کے سر پہ یہ چادرِ آفتاب کیوں ہے

ترس گئے میرے آئینے اُس کے خال و خد کو
وہ آدمی ہے تو اس قدر لاجواب کیوں ہے؟

اُسے گنوا کر پھر اُس کو پانے کا شوق کیسا؟
گناہ کر کے بھی انتظارِ ثواب کیوں ہے

تِرے لیے اُس کی رحمتِ بے کنار کیسی؟
مِرے لیے اُس کی رنجش بے حساب کیوں ہے؟

اُسے تو محسنؔ بلا کی نفرت تھی شاعروں سے
پھر اُس کے ہاتھوں میں شاعری کی کتاب کیوں ہے؟

☆

ہوس تو ہے کہ بلندی پہ تیرا گھر دیکھوں
نظر اُٹھاؤں تو اپنے شکستہ '' پر '' دیکھوں

ترے قریب سہی ' مضطرب ہے دِل کتنا
ہَوا کی چاپ جو اُبھرے تو '' سوئے دَر'' دیکھوں

کسی طرح تو یہ تنہائیوں کا کرب کٹے
بلا سے اپنے ہی سائے کو ہمسفر دیکھوں

کچھ اس لیے بھی اندھیروں نے ڈس لیا مجھ کو
مجھے یہ شوق تھا رنگِ رخِ سحر دیکھوں

وہ لمس وہم سہی اُس سے دِل تو بہلاؤں
وہ جسم خواب سہی اُس کو عمر بھر دیکھوں

میں لُٹ چکا مِرے رہزن بھی گُم ہُوئے لیکن
یہ کیسا خوف ہے پھر بھی اِدھر اُدھر دیکھوں

ہوائے شامِ سفر یہ سفر کہاں کا ہے؟
کہ ہر قدم پہ نیا رنگِ رہگزر دیکھوں

فرازِ عرش نہیں گر تو شاخِ دار سہی
کسی طرح تو بلندی پہ اپنا سر دیکھوں

گنوا دیا انہیں اب اُن کی یاد کیوں آئے؟
میں دوستوں سے یہ رشتہ بھی توڑ کر دیکھوں

دُھواں دُھواں مِری سانسیں ہیں زخم زخم بدن
خیال تھا کبھی اخلاصِ چارہ گر دیکھوں

وہ کُنجِ لب ہو اگر "وا" مِرے لیے محسنؔ
بقولِ دردؔ ☆ میں سو سو طرح سے مر دیکھوں

☆

اب کوئی نہیں بہرِ تماشا سرِ مقتل
جُز قاتلِ جاں، وہ بھی ہے تنہا سرِ مقتل

اس شہر میں جب قحط پڑا دِلِ زدگاں کا،
کیا کیا نہ اُڑی خاکِ تمنا، سرِ مقتل

ہم تھے تو اُجالوں کا بھرم بھی تھا ہمیں سے
کہتے ہیں کہ پھر چاند نہ اُبھرا سرِ مقتل

قاتل کی جبیں شرم سے پیوستِ زمیں ہے
کس دھج سے مِرا قافلہ اُترا سرِ مقتل

میں دار پہ، سایا مِرا دُشمن کی صفوں میں

دِل کتنے عجب کرب سے گزرا سرِ مقتل

لے دے کے کہیں ایک پیمبر ہُوا مصلوب
کہنے کو تو کل شور تھا کتنا سرِ مقتل

جس نے صفِ یاراں سے کئی تیر چلائے!
پہچان لیا میں نے وہ چہرہ سرِ مقتل

اِک پل کو تو بجھتی ہُوئی آنکھیں چمک اُٹھیں
اِک پل کو تو وہ شخص بھی آیا سرِ مقتل

مشکل ہے کہ پہچان سکوں تیرے خدوخال
پھیلا ہے نگاہوں میں اندھیرا سرِ مقتل

سر لے کے ہتھیلی پہ جو تُو بھی نِکل آتا
محسنؔ میں قصیدہ تِرا لکھتا سرِ مقتل

☆

سو بھی جاؤں تو ہر اِک خواب بُرا ہی دیکھوں
میں کن آنکھوں سے دِل و جاں کی تباہی دیکھوں

دِل یہ چاہے کہ پلٹ جاؤں خود اپنے گھر کو
جب بھی منزل بے بھٹکتے ہُوئے راہی دیکھوں

تُو سحر ہے تو اُفق سے کوئی سورج بھی نکال
میں کہاں تک تیرے ماتھے کی سیاہی دیکھوں

جرمِ ناکردہ گناہی کی سزا یہ ہے کہ مَیں
اپنی سوچوں کو بھی زنجیر بپا ہی دیکھوں

بارہا ترکِ تعلق پہ یہ سوچا مَیں نے
تجھ کو ڈھونڈوں ' ترِی افسردہ نگاہی دیکھوں

وہ بھی کیا شخص ہے کھلتا ہی نہیں بھید اُس کا
جب بھی دیکھوں اُسے دنیا سے خفا ہی دیکھوں

کس سے پوچھوں میں پتہ اپنے پرانے گھر کا
اجنبی شہر میں ہر شخص نیا ہی دیکھوں

وسعتِ دشت کی تنہائی سے ڈر لگتا ہے
کوئی رہرو نہیں ' نقشِ کفِ پا ہی دیکھوں

میرے ساتھی تو مِری صف سے الگ ٹھہرے ہیں
اپنے حق میں کسی دُشمن کی گواہی دیکھوں

میرے محسنؔ ترا معیار نظر کچھ بھی سہی!
میں تو انسان کے پیکر میں خدا ہی دیکھوں

☆

گِلا نہیں کوئی تجھ سے جو تُو دکھائی نہ دے
وہ تیرگی ہے کہ کچھ بھی مجھے سجھائی نہ دے

بُھلا دے اے مِرے گھر کی اُداس رات مجھے
کہ وحشتِ سرِ صحرا مجھے رہائی نہ دے

تِرے وصال کی صبحوں کا رنگ کیا ہوگا؟
یہ سوچنے کی فراغت شبِ جدائی نہ دے

تِرا وجود اگر ہے تو اب نقاب اُٹھا
میں تھک گیا ہُوں مجھے زخمِ نارسائی نہ دے

میں جھوٹ بول رہا ہُوں کہ معتبر ٹھہروں
جو سچ کہوں تو زمانہ مِری صفائی نہ دے

رگوں سے خون جو پُھوٹے تو کوئی خط لکھوں
کہ میری آنکھ تو لکھنے کو روشنائی نہ دے

مِری زباں پہ تِری مصلحت کے پہرے ہیں
مِرے خدا مجھے الزامِ بے نوائی نہ دے

کوئی بھی دُشمنِ جاں ہو مجھے قبول مگر!
میں اپنے مصر کا یوسف ہوں مجھ کو بھائی نہ دے

سکوتِ دشت کی ہیبت ہے یا خموشیِ مرگ
خود اپنی چیخ بھی محسنؔ مجھے سُنائی نہ دے

☆

کہنے کو تو گزرے کئی طوفان بھی سر سے
ہم لوگ مگر شہر میں رونے کو بھی ترسے

لفظوں کے غلافوں میں چھپاؤں اُسے کب تک؟
بجلی ہے تو ٹُوٹے، کوئی بادل ہے تو برسے!

لشکر مہ و انجم کا کہاں دفن ہُوا ہے
فرصت ہو تو پوچھوں کبھی گلنار سحر سے

اِک پل کو رُکا دیدۂ پُرنم تو میں سمجھا!
جیسے پلٹ آیا ہُوں سمندر کے سفر سے

کچھ دیر ٹھہر جا ابھی اے موجِ تلاطم
ٹوٹی ہُوئی کشتی کو اُلجھنے دے بھنور سے

اس جنس کا گاہک کوئی ملتا نہیں ورنہ
اس دِور میں سستا ہے بشر، لعل و گہر سے

ہمسائے کے گھر کون مقیّد تھا کہ شب بھر

رہ رہ کے ہوا سر کو پٹختی رہی دَر سے

اِن تیز ہَواؤں میں کہاں جاؤ گے محسنؔ
راتوں کو تو پاگل بھی نکلتے نہیں گھر سے